ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

نگران
حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ امین عام جامعہ ہذا

جلد ۲۵

مدیر مسئول
حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ ناظم جامعہ ہذا

شمارہ ۸

مدیر تحریر
مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ربیع اول ۱۴۴۱ھ

نومبر ۲۰۱۹ء

مجلس ادارت
- مولانا محمد ساجد حسن صاحب مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید صاحب اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد صاحب بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد صاحب سہارنپوری

موبائل فون نمبر
8923235542

زر تعاون

فی شمارہ	۱۵/روپے
سالانہ زر تعاون	۱۵۰روپے
بیرون ملک سالانہ	۲۵ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

اداریہ

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی خدمات کا ایک نیا باب دنیا کے سامنے

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

وطن عزیز ہندوستان سے انگریزوں کے ناپاک قدم اکھاڑنے اور ہندوستان کو آزادی کی دولت سے مالا مال کرنے میں ہندوستان کی مختلف تنظیموں، جماعتوں اور دینی مدارس کی بڑی نمایاں خدمات رہی ہیں، علماء حق کی اس سلسلہ میں جانفشانی اوران کے ایثار و قربانی کی مستقل ایک تاریخ ہے، لیکن تاریخ کا یہ باب اب تک نگاہوں سے اوجھل تھا کہ ایک سوتر پن سالہ قدیم علمی و دینی درسگاہ جامعہ مظاہر علوم اوراس کے فیض یافتگان کی خدمات بھی اس باب میں تاریخ کا حصہ ہیں، جامعہ مظاہر علوم کے امین عام (سکریٹری) مولانا سید محمد شاہد الحسنی نے آٹھ سال کی علمی جدو جہد اور عرق ریزی کے بعد مکمل چار جلدوں میں ایک تاریخ مرتب فرمائی ہے جس کا حسنِ آغاز اور تقریب افتتاح جامعہ کے وسیع ہال زکریا منزل میں جمعیۃ علماء ہند کے قومی صدر محترم مولانا سید محمد ارشد مدنی مدظلہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔

صدر اجلاس نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ ماضی میں ہمارے اکابر صرف تعلیم و تعلم سے وابستہ نہیں رہے بلکہ ملت کے لئے اور اسلام کی بالا دستی کے لئے میدان عمل میں بھی آئے، انھوں نے شیخ الہندؒ کا ایک ملفوظ سنایا کہ ”جو لوگ حجروں میں بیٹھ کر صرف تعلیم و تعلم کو ہی اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں وہ اسلام کے صاف شفاف چہرے پر داغ لگاتے ہیں“ مولانا مدنی نے کہا کہ تحریک آزادی میں علماء کا کردار اب ضرورت ہے کہ باقاعدہ ہمارے مدارس میں داخل نصاب کیا جائے۔

اس اجلاس کی نظامت جامعہ کے استاذ مولانا مفتی محمد جاوید سہارنپوری نے کی، جامعہ کے استاذ مولانا قاری سید محمد عمار الہاشمی کی تلاوت کلام پاک اور حافظ محمد عامر سہارنپوری متعلم جامعہ کی نعت سے اس کا آغاز ہوا، اجلاس میں مہمانان کرام کے استقبال اور کتاب ''تحریک آزادی ہند اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور'' کے تعارف پر مشتمل ایک وقیع افتتاحی خطبہ مولانا سید محمد شاہد الحسنی نے پیش کیا، سہارنپور کے مشہور خوشنویس جناب اسلام انجم کی اس اجلاس کی مناسبت سے لکھی ہوئی بہترین نظم مولوی محمد ممتاز سہارنپور نے پیش کی۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی نے دوران خطاب کہا کہ یہ دونوں ادارے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم اپنے آغاز سے لے کر اپنے تمام ارتقائی ادوار میں علمی وفکری ہم آہنگی کے ساتھ تاریخ کا حصہ ہیں، تحریک آزادی میں دارالعلوم دیوبند کے اکابر اگر پیش پیش تھے تو مظاہر علوم کے فیض یافتگان کی بھی ایک فہرست اس سلسلہ میں موجود ہے جس کی تفصیلات مولانا سید محمد شاہد الحسنی کی تازہ ترین کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے، مہتمم صاحب نے ایک بات یہ کہی کہ اگر اس کتاب کی ہندی زبان میں تلخیص کرکے اسے شائع کیا جائے تو استفادہ کا دائرہ وسیع ہوگا اور کتاب کے مضامین اور تاریخی حقائق سے برادران وطن کی واقفیت سے بہت سارے ملکی وملی مسائل حل ہونے کی قوی امید ہے۔

صدر جمعیۃ علماء ہند مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری نے مصنف کتاب کو اس عظیم تاریخی کارنامے پر مبارکباد پیش کی اور کہا کہ دین اور سیاست دونوں کو ایک ساتھ لے کر ملک و ملت کی تعمیر میں کس انداز سے خدمات انجام دی جاتی ہیں یہ کتاب اس کا واضح ثبوت ہے۔

مولانا آزاد یونیورسٹی جودھپور کے وائس چانسلر پروفیسر اختر الواسع صاحب نے کہا کہ ''تحریک آزادی میں مظاہر علوم کی خدمات کا تعارف پوری قوم پر قرض تھا اسے فرض کفایہ کے طور پر ایک ابنِ مظاہر نے ادا کردیا، طاقتور تحریک ہمیشہ صحتمند ذہن جنم دیتی ہے، مظاہر علوم کے جیالوں کی تاریخ کا منصۂ شہود پر آنا اس بات کی علامت ہے کہ صحت مند اذہان اب بھی یہاں

جنم لیتے ہیں‘‘، دنیائے ادب کے مشہور و معروف شاعر ڈاکٹر نواز دیوبندی نے اس کتاب کے اختصار اور ہندی ترجمہ کی بابت مولانا سید محمد شاہد الحسنی کو توجہ دلائی اور اپنا مشہور منظوم سلام سنایا۔

جماعت اسلامی ہند کے سابق جنرل سکریٹری مولانا رفیق احمد قاسمی نے اپنے بیان میں کہا کہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم صرف اپنی حالتِ زار کا مرثیہ نہ پڑھیں بلکہ یہ عہد کریں کہ اپنے ماضی کی تاریخ اور اپنے بڑوں کے کارناموں سے اپنے اندر عملی بیداری پیدا کریں گے۔اور یہ کتاب اس کے لئے بہترین ذریعہ ہے۔

ان حضرات کے علاوہ جامعہ کے ارکان شوری مولانا مفتی محمد معصوم ثاقب رائچوٹی، مولانا مفتی سبیل احمد چنئی، مولانا روح الحق تمل ناڈو، حاجی فضل الرحمن علیگ ممبر آف پارلیمنٹ نے بھی اپنے تأثرات بیان کئے اور مولانا محمد شاہد الحسنی کے اس علمی و تاریخی کارنامے پر ان کو مبارکبادد ی۔

اس اجلاس کے مدعو خصوصی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم اور آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی اپنی مشغولی کے سبب اجلاس میں شریک نہیں تھے لیکن ان کا بھیجا ہوا پیغام ان کے فرستادہ مولانا محمود حسن حسنی ندوی نے پڑھ کر سنایا، اسی طرح دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی بھی شریک اجلاس نہیں تھے لیکن ان کا پیغام ان کے حکم سے مولانا مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے پڑھ کر سنایا، آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی بھی اپنی علالت کی وجہ سے موجود نہیں تھے لیکن انھوں نے اپنا پیغام ارسال کیا جس میں انھوں نے اس کتاب کو ایک گم گشتہ تاریخ کی بازیافت بتلایا اور یہ بھی تحریر کیا کہ مظاہر علوم کی خدمات کا ایک اور پہلو ماشاء اللہ مولانا سید محمد شاہد الحسنی کے قلم سے منظر عام پر آرہا ہے۔

تقریب افتتاح میں جامعہ مظاہر علوم کے ناظم اعلی مولانا سید محمد سلمان مظاہری، مولانا مفتی عبد اللہ معروفی استاذ دارالعلوم دیوبند۔مولانا محمد توقیر احمد قاسمی صدر شعبہ انگریزی دارالعلوم

دیوبند۔مولانا سفیان احمد قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند، الحاج غلام رافع خاں شروانی علی گڑھ رکن شوری جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، پروفیسر سفیان بیگ پرنسپل انجینیر نگ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مفتی زاہد علی خان مظاہری شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ،مولانا محمد عارف ابراہیمی رکن شوری مظاہر علوم سہارنپور، مفتی محمد اللہ خلیلی انچارج شعبہ انٹرنیٹ دارالعلوم دیوبند،مولانا محمد زکریا نانوتوی رکن شوری دارالعلوم وقف دیوبند۔مفتی ناصرالدین مظاہری مدیر تحریر ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم وقف سہارنپور، نوجوان صحافی شمس تبریز قاسمی چیف ایڈیٹر ملت ٹائمز۔مولانا عبدالرشید مرزاپور پول،مولانا محمد طاہر رائے پور،مولانا محمد ہاشم چھٹمل پور،مولانا محمد عاقل صدر جمعیۃ علماء مغربی یوپی،مولانا محمد الیاس پپلی مزرعہ،مولانا محمد اختر ریڑھی، حاجی عبدالرحمن امیر جماعت یمنانگر،مولانا عمران قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند، مفتی انصارالحق قاسمی استاذ حدیث جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار، مولانا فضیل احمد ناصری معہد الانور دیوبند،مولانا حسین احمد پانڈولی مفتی نجم الہدی مرشدآبادی ،شاہ محمود چیرمین بہٹ ،سرفراز خان، مظاہر حسن مکھیا، چودھری لیاقت ایڈوکیٹ، انور علی ایڈوکیٹ، پرم بتراڈائرکٹر ہینڈس ٹو کیئر ویلفی سوسائٹی، کارتک کھرانا، وجے دتّہ، کمل چُگ، نمن سچدیوا، عبدالعلیم، چودھری سنجے پردھان ٹوڈر پور، چودھری جنک سنگھ پردھان بھوکڑی جیسی اہم علمی وسماجی شخصیات نے شرکت کی۔

اجلاس کے داعی مولانا سید محمد شاہد الحسنی نے آخر میں تمام مہمانان کرام کا شکریہ ادا کیا، جامعہ مظاہر علوم کے صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث مولانا سید محمد عاقل کی دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

طابع وناشر وایڈیٹر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

درسِ قرآن

اسلامی شناخت کی ضرورت

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ حدیث وتفسیر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ۔ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوِ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ۔ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (آل عمران ۱۶۶ تا ۱۶۸)

اور تمہیں جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں مڈبھیڑ ہوگئی تھی وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لئے تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور منافقین کو بھی معلوم کرلے، جن سے کہا گیا کہ آؤ! راہِ خدا میں جہاد کرو، یا کافروں کو ہٹاؤ، تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے، تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے، وہ اس وقت بہ نسبت ایمان کے، کفر کے بہت قریب تھے، اپنے منھ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جسے وہ چھپاتے ہیں۔

شانِ نزول: مقتولین بدر کا بدلہ لینے کے ارادہ سے کفار تین ہزار کے قریب مدینہ منورہ کے پاس آ کر فروکش ہوگئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کیا کہ کفار کا مقابلہ مدینہ میں رہ کر کیا جائے یا مدینہ سے باہر نکل کر، زیادہ تر صحابہ کی رائے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ایک ہزار ساتھیوں کو ساتھ لے کر، مقابلے کے لئے نکلے، آپ راستہ میں ہی تھے کہ عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس مڑ گیا، کہنے لگا: کہ کافروں کی تعداد زیادہ ہے مسلمانوں کی کم، یہ تو کوئی لڑائی نہیں، موت کے منہ

میں جانے کے برابر ہے، پھر ہماری بات بھی تونہیں مانی گئی، (عبداللہ کی رائے مدینہ میں رہ کرمقابلہ کرنے کی تھی) مسلمانوں کی تعداد پہلے ہی کم تھی ایک اور تین کا مقابلہ تھا، تین سواور کم ہو گئے، مقابلہ اور زیادہ سخت ہو گیا، اس نازک موقع پر عبداللہ بن عمرو بن حزام منافقین کے پیچھے دوڑے اور عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو سمجھاتے ہوئے کہنے لگے: لوگو! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم اس نازک وقت میں نبی کا اور اپنے لوگوں کا ساتھ نہ چھوڑو، اگرلڑنا نہیں چاہتے نہ لڑو! مگر مسلمانوں کی جماعت میں شامل تو رہو، تمہاری شمولیت سے مسلمانوں کی تعداد زیادہ دکھائی دے گی، یہ بھی نبی اور مسلمانوں کی مدد کے مترادف ہے کیونکہ اس سے دشمن مرعوب ہو کر بھاگ جائے گا، مگر عبداللہ بن ابی کو نہ ماننا تھا، نہ مانا۔

عبداللہ بن عمرحزام غمزدہ وافسردہ واپس مڑگئے اور یہ کہتے ہوئے نبی کے ساتھ جا ملے کہ اگر اللہ کو منظور ہوا تو تمہارے بغیر ہی اللہ اپنے نبی کو فتح ونصرت سے نوازیں گے، اور فتح ونصرت سے نوازنے کا اللہ کا وعدہ بھی تھا، مگر نتیجہ برعکس رہا، اس پر مسلمانوں کو شبہ ہوا کہ غلبہ کا وعدہ تھا پھر شکست کیسے ہوئی، اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔

تشریح وتوضیح:

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ کے دن (احد کے دن) جونقصان تمھیں پہنچا، کہ بعض زخمی ہوئے اور ستر صحابہ شہید، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے تھا، اور اس کی حکمت پر مبنی تھا، ایک حکمت یہ بھی تھی کہ ثابت قدم، غیر متزلزل ایمان والے، صابر بندے بھی معلوم ہو جائیں اور منافقین کا حال بھی کھل جائے، جیسے عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھی، جو کہ راستے ہی سے واپس لوٹ آئے، مسلمانوں نے انہیں سمجھایا بھی کہ آؤ! راہ خدا میں جہاد کرو یا کم از کم مدافعت کرو، مدافعت میں یہ بھی داخل تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ تو رہتے جس سے مسلمانوں کی گنتی زیادہ معلوم ہوتی۔

پیغام:

دشمن کا مقابلہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ مشہور و معروف ہے، یعنی آمنے سامنے، رو برو ہو کر ہتھیار، اسباب و آلات کے ذریعہ ڈٹ کر مقابلہ کرنا، یہ بڑے دل گردہ والے آدمی کا کام ہے، یہ نہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں ہوسکتا ہے اور نہ ہر مکان، ہر جگہ، ہر علاقہ میں ہوسکتا ہے، اس کے لئے کچھ شرائط و قیود ہیں جب تک وہ شروط و قیود نہ پائی جائیں، ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں۔

مقابلہ کا دوسرا طریقہ غیر معروف اور نہایت سہل ہے، مسلمانوں کی عددی اکثریت و تعداد بڑھانا اور ایسے طریقے اختیار کرنا جس سے اپنی تعداد زیادہ محسوس ہو اور دشمن مرعوب ہو جائے، یہ ہر زمانہ و ہر علاقہ میں بآسانی کیا جاسکتا ہے، نہ اس میں کوئی حکومت رکاوٹ بنتی ہے اور نہ کسی ملک کے باشندے، امیر غریب، بادشاہ و فقیر، تندرست و توانا، اور کمزور و ضعیف حتی کہ معذور افراد بھی اس پروگرام کا حصہ بن سکتے ہیں۔

سہل بن سعد ساعدی ایک نابینا صحابی ہیں مگر مسلمانوں کی جماعت میں شمولیت کی فکر دامن گیر ہے، فرماتے ہیں: میں مجبورِ محض ہوں اگر میرے بس میں ہوتا تو اپنا مکان فروخت کر کے مسلمانوں کے ساتھ، اسلامی سرحد پر جا کر کافروں و مسلمانوں کے درمیان آڑ اور مسلمانوں کے لئے بچاؤ کا ذریعہ بن جاتا۔

وعن سهل بن سعد الساعدي وَقَدْ كُفَّ بَصَرُهُ: لَوْ أَمْكَنَنِي لَبِعْتُ دَارِيْ وَلَحِقْتُ بِثَغَرٍ مِنْ ثُغُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَكُنْتُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ عَدُوِّهِمْ قِيْل: وَكَيْفَ وَقَدْ ذَهَبَ بَصَرُكَ؟ قَالَ لِقَوْلِهِ: أَوِ ادْفَعُوْا أَرَادَ: كَثِّرُوْا سَوَادَهُم. وَالْمُكَثِّرُ لِلسَّوَادِ مُدَافِعٌ، (الکشاف ۱/۴۲۸)

ان نابینا کی تو آرزو و تمنا ہی تھی مگر ایک دوسرے صحابی نے کر ہی دکھایا۔

"قادِسِیّہ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کفار کے ساتھ لڑی جانے والی مشہور اسلامی جنگ ہے، تاریخ شاہد ہے کہ اس جنگ میں صحابی رسول، عبد اللہ بن ام مکتوم بھی شریک ہیں، جو آنکھوں سے نابینا ہیں، بالکل دکھائی نہیں دیتا، زرہ پہنے، ہاتھ میں جھنڈا لئے ہوئے ہیں، انس بن مالک سے منقول ہے: کہ ان سے کسی نے کہا: کہ آپ تو معذور ہیں،

آپ لڑ نہیں سکتے، دشمن پر حملہ نہیں کرسکتے، فرمایا: یہ سب ٹھیک ہے لیکن کیا میں مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوکر، ان کی جمعیت و کثرت میں اضافہ بھی نہیں کرسکتا؟ کم از کم جسمانی اعتبار سے شامل ہوکر، میں نے تعداد میں تو اضافہ کیا ہی ہے۔

قال أنس بن مالك: رَأَيْتُ يَوْمَ الْقَادِسِيَّةِ عَبْدَ اللهِ ابْنَ أُمِّ مَكْتُوْمٍ الْأَعْمٰى، وَعَلَيْهِ دِرْعٌ يَجُرُّ أَطْرَافَهَا وَبِيَدِهٖ رَايَةٌ سَوْدَاءُ، فَقِيْلَ لَه: أَلَيْسَ قَدْ أَنْزَلَ اللهُ عُذْرَكَ؟ قَالَ: بَلٰى، وَلٰكِنِّي أُكَثِّرُ الْمُسْلِمِيْنَ بِنَفْسِيْ، وَرُوِيَ أَنَّهٗ قَالَ: فَكَيْفَ بِسَوَادِيْ فِي سَبِيْلِ اللهِ، (القرطبی۔ ۲۶۶/۴)
لِأَنَّ الْكَثْرَةَ أَحَدُ أَسْبَابِ الْهَيْبَةِ وَالْعَظَمَةِ. مفاتیح۔

آج بھی قوم مسلم کو عبداللہ بن عمرو بن حزام جیسے مخلص ہمدردوں کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کو سمجھائیں کہ تم قتال نہیں کرسکتے تو نہ کرو! کم از کم مسلمانوں کے لئے دفاع کا ذریعہ اور آڑ تو بن جاؤ! اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوکر مسلمان تو لگنے لگو، اسلامی وضع قطع میں سے جو وضع بھی تمہاری طبیعت کے موافق ہو کم از کم اسی کو اپنا لو، چار عدد سکھ اگر ٹرین کے کسی کمپارٹمنٹ یا بس میں سوار ہوں تو وہ اپنی مخصوص وضع قطع اور اپنی پگڑی داڑھی کی وجہ سے پورے کمپارٹمنٹ پر، بھاری ہوتے ہیں کوئی ان سے بدتمیزی نہیں کرتا، ان کی موب لنچنگ نہیں ہوتی، کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا کیونکہ ''چار تو چون کے بھی برے ہوتے ہیں'' پورے ملک میں ان کی تعداد صرف دو فی صد ہے۔

گورنمنٹ کے اعداد و شمار پر ہی اگر اعتبار کیا جائے تو مسلمانوں کی تعداد اٹھارہ فی صد ہے، اٹھارہ فی صد آبادی والوں کا شریروں و شیطانوں، قاتلوں پر کوئی رعب نہیں اور دو فی صد، والوں کا رعب ہے کیونکہ دو فی صد، والے اپنی جماعت کی مخصوص ہیئت، شکل و صورت میں ہوتے ہیں اور اٹھارہ فی صد والے غیروں کی شکل و صورت میں، جس سے ان کی کوئی پہچان نہیں ہوتی، گاہ بگاہ تو پورے کمپارٹمنٹ اور پوری بس میں اکا دکا ہی مسلمان نظر آتا ہے، اس لئے ان کو تنہا سمجھ کر کوئی بھی، کچھ بھی کر گزرتا ہے، اگر اٹھارہ فی صد والے صرف اتنا طے کرلیں کہ ہم ٹوپی کا استعمال کریں گے تو یقین جانیے کہ ہمارے بازار، محلے، بس اسٹینڈ،

ریلوے اسٹیشن، ٹوپی وٹوپیوں والوں سے آباد نظر آئیں گے اور شریر وشیطانوں پر فطری رعب طاری ہوگا، صرف ٹوپی کا استعمال ہی اس روتی بلکتی، پٹتی مرتی، قوم کا دفعیہ بن جائے گا۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم نے بھی اپنے ایک بیان میں روڑکی ضلع ہردوار اتراکھنڈ کا ایک واقعہ بیان فرمایا: کہ ایک بار شہر میں ہندو مسلم فساد ہوگیا، وہاں کے ایک مولانا صاحب سہارنپور آئے اور پانچ ہزار ٹوپیاں خرید کر لے گئے اور راتوں رات مسلمان گھروں میں سپلائی کردی اور کہہ دیا کہ صبح سب مسلمان ٹوپی پہن کر نکلیں، صبح سب ٹوپیاں پہن کر نکلے، تو ہندو ڈر گئے کہ اتنے نئے مسلمان کہاں سے آگئے اور فساد دب گیا، تو یہ بھی غیروں پر دھاک بٹھانے کا ایک ذریعہ ہے۔

احتیاط

صحیح بخاری میں حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز ان کی خدمت میں پیش کی، آپ نے اس میں سے کچھ کھالیا، اس کے بعد اس غلام نے بتایا کہ یہ چیز مجھے اس طرح حاصل ہوئی کہ اسلام کے دور سے پہلے زمانہ جاہلیت کے ایک آدمی کو میں نے اپنے کو کاہن ظاہر کرکے دھوکہ دیا تھا اور اس کو کچھ بتلا دیا تھا جیسے کہ کاہن لوگ بتلا دیا کرتے تھے، تو آج وہ آدمی ملا اور اس نے مجھے اس کے حساب میں کھانے کی یہ چیز دی، حضرت ابوبکر کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کی اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب نکال دیا۔ (جمع الفوائد ۲؍۱۹۳)

انوار حدیث

گذشتہ سے پیوستہ

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے.........

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری استاذ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

معزز شخص کی آمد پر اس کا اکرام کرنا

عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال: دخل جرير بن عبدالله رضي الله عنه على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعنده أصحابه وضَنَّ كلُّ رجل بمجلسه فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم رداءَه فألقاه إليه فتَلَقَّاه بنحره ووجهه فَقَبَّلَه ووضعه على عينيه وقال: أكرمك الله كما أكرمتَنِي، ثم وضعه على ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فإذا أتاه كريمُ قوم فَلْيُكْرِمْه۔ (المستدرک ۴/۳۲۴ رقم ۷۷۹۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچے اس وقت آپ کے صحابہ آپ کے پاس موجود تھے اور ہر شخص اپنی جگہ پر جمارہا (کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلا کہ انھیں جگہ دے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر لے کر ان کی طرف اسے ڈال دیا (تاکہ اس پر بیٹھیں) تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کو اپنے سینے اور چہرے سے لگایا پھر اسے چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھا اور فرمایا کہ اللہ آپ کو عزت دے جیسا کہ آپ نے مجھے عزت دی، پھر وہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر رکھ دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے اس کے پاس جب کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کا اکرام کرے۔ (مستدرک حاکم ۴/۳۲۴)

اسی واقعہ کو امام طبرانی نے المعجم الأوسط (۴/ ۵۷ حدیث ۵۲۶۱) میں اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور جس گھر میں آپ تھے وہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا تو وہ آ کر دروازے پر کھڑے ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں بائیں نظر ڈالی (تا کہ خالی جگہ ہو تو انھیں بٹھائیں) مگر آپ کو کوئی گنجائش نظر نہیں آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر لی، اسے لپیٹا اور ان کی طرف پھینک دی اور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ، حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اسے لیا اپنے (سینے) سے لگایا اور اسے بوسہ دیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوٹا دیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کا اکرام فرمائے جیسا کہ آپ نے میرا اکرام فرمایا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگوں کے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کا اکرام کیا کرو۔

امام ابن ماجہؒ نے بھی حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: ''**إذا أتاکم کریم قوم فأکرموہ**'' (سنن ابن ماجہ ص ۲۶۳)

حضرت جریرؓ ایک مشہور اور جلیل القدر صحابی ہیں وہ اپنی قوم کے سردار اور معزز شخص تھے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے ان کا اکرام فرمایا اور مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ ان کے پاس جب کوئی معزز آدمی آئے تو وہ اس کے ساتھ عزت و اکرام کا معاملہ کریں۔

اسی طرح عیینہ بن حصن فزاری جو اپنی قوم کے سردار تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے تو وہاں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود تھے اور سب زمین پر بیٹھے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ کے لئے چھوٹا گدا منگایا اور اس پر انھیں بٹھایا اور فرمایا کہ تم لوگوں کے پاس جب کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔ (المعجم الکبیر ۱۷/ ۱۶۰۔ مجمع الزوائد ۸/ ۱۶)

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ کریم یعنی قوم کا سردار جو اپنی قوم کے اندر قابل تعظیم اور قابل احترام ہے اگر اس کے ساتھ اس کے مرتبہ کے مناسب اکرام کا معاملہ نہ کیا جائے تو یہ اس کے ساتھ

زیادتی اوراس کے دین کے بگاڑ کا باعث ہوسکتا ہے کیونکہ اس رویہ سے اس کے دل میں کینہ اور بغض وعداوت پیدا ہوکر خون ریزی کا سبب بھی بن سکتا ہے، اوراس کا اکرام کرنے میں اس کے شر سے بھی حفاظت ہے اوراس کے دین کی بھی حفاظت ہے،اوراس اکرام کی علت دینی یا دنوی محذور(قابل احتراز چیز) کا ڈر یا کسی طرح کے ضرر کا اندیشہ ہے،لہٰذا جہاں یہ ڈر اور اندیشہ پایا جائے گا وہاں اکرام مشروع بلکہ کبھی واجب ہوگا،خواہ وہ شخص جس کا اکرام کیا جارہا ہے کافر وفاسق ہی کیوں نہ ہو،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب مؤلفۃ القلوب یا کفار قریش کے بڑے لوگ آتے تو آپ ان کے ساتھ بھی اکرام کا معاملہ فرماتے تھے اوراس سلسلے میں بہت سے لوگوں سے مخلوق کے بارے میں اللہ ورسول کی تدبیر کی معرفت سے غفلت اور ’’ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم‘‘ کے ظاہر پر جمود کی وجہ سے غلطی ہوئی ہے، جب کہ سنت نبویہ نے اس کی بہترین تشریح فرمادی ہے۔(فیض القدیر ۱/۲۴۱ مختصراً)

حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ فرماتے ہیں کہ ’’إذا أتاکم کریم قوم فأکرموہ‘‘(جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کا اکرام کرو) اس کلام کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ جب کوئی شخص اپنی قوم میں عزت والا ہو،قوم کا سردار اور رئیس ہو تو تم لوگ اس کا اکرام کرو،کیوں کہ آدمی اگراس کا اکرام نہیں کرے گا تو اس سرداراوراس کی قوم کے اندراس کی طرف سے کینہ اور بغض پیدا ہوسکتا ہے اوران کی طرف سے اذیت پہنچ سکتی ہے جب کہ وہ قوم جاہل ہو،لیکن اکرام کے اس حکم کو اس پر محمول کرنا مناسب ہوگا کہ اس اکرام سے آدمی کے دین کو کوئی نقصان نہ پہونچتا ہو کیونکہ کفر کی تعظیم بھی کفر ہے،اورحدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی،(لہٰذا کافر وفاسق اور مبتدع کی تعظیم نہیں کیجائے گی) اور یہ (عدم تعظیم کا حکم) اس وقت ہے جب آدمی کو اپنے دین میں خوب مضبوطی اور پختگی حاصل ہو(اور وہ عدم تعظیم کی صورت میں پیش آنے والی آزمائش پر صبر کرسکتا ہو) جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم ہرقل کو خط لکھا اوراس کی سلطنت کی کچھ پرواہ نہیں کی، اور آدمی کمزور ہو اوران کی طرف سے جسمانی یا مالی ضرر اور نقصان کا اندیشہ ہو(جس پر وہ صبر نہیں کرسکتا) تو اس کے لیے اس کا اکرام کرنا مباح ہوگا اللہ تعالیٰ کے اس

فرمان کی وجہ سے کہ ''إلا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالإیمان'' (مگر جسے مجبور کردیا جائے جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے)

اور دوسرا مطلب وہ ہے جو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے مرتبے میں رکھیں چنانچہ جو سائل بن کر آیا اسے روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا اور جو گھوڑے پر آیا اسے بٹھا کر کھلایا۔ (انجاح الحاجۃ ص ۶۳)

حضرت عائشہؓ کی اس روایت کو امام ابوداود نے کتاب الادب (۶۶۵/۲) میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے : ''أن عائشة مر بها سائل فأعطته كِسْرَةً و مر بها رجل عليه ثياب و هيأة فأقعدته فأكل فقيل لها في ذلك فقالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أنزلوا الناس منازلهم''

حضرت عائشہؓ کے پاس سے ایک سائل گذرا تو انھوں نے اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا، اور ان کے پاس سے ایک دوسرا آدمی گذرا جس کے جسم پر اچھے کپڑے تھے اور خوش وضع تھا تو اس کو بٹھایا پھر اس نے کھایا، حضرت عائشہؓ سے اس (فرق) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو تم ان کے مرتبے میں رکھا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ حاکم و محکوم، خادم و مخدوم، عالم و جاہل، نیک و بد اور شریف و وضیع غرض ہر آدمی کے ساتھ اس کے حسب مرتبہ معاملہ کیا جائے گا، لہٰذا نو وارد لوگوں کے بارے میں معلومات کر لینا چاہئے تا کہ ان کی حیثیت کے مطابق ان سے برتاؤ کر سکے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ حقوق کے اندر لوگ مقام و مرتبہ کے لحاظ سے متفاضل یعنی ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ بات بعض احکام بلکہ اکثر احکام کے اندر پائی جاتی ہے، البتہ شریعت نے حدود اور ان جیسی چیزوں میں لوگوں کے درمیان برابری رکھی ہے۔ (شرح مسلم للنووی ۴/۱)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو اخلاقی تعلیم دی ہے اس سے واضح طور سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر میں، علم میں اور مقام و مرتبہ میں بڑے شخص کے ساتھ توقیر اور اکرام خصوصی اور

تاکیدی حکم ہے، مثلاً حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سے آئے تو لوگوں نے ان کے لئے گنجائش بنانے میں تاخیر کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :لیس منا من لم یرحم صغیرنا و یوقر کبیرنا۔ وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی توقیر و تعظیم نہ کرے (ترمذی ابواب البر والصلہ ۱۴/۲)

اور حضرت عبادہ بن صامت ؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ”لیس منا من لم یرحم صغیرنا و یُجِلّ کبیرَنا و یَفِ لِعالِمِنا “(مسند البزار ۷/۱۵۷) وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹے پر مہربانی اور شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑے کا احترام و اکرام نہ کرے اور ہمارے عالم سے وفا نہ کرے۔

اور حضرت انس ؓ کی ایک روایت میں بڑوں کے احترام کی ترغیب اور اس پر بشارت ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما أکرم شاب شیخاً لِسِنِّہ إلا قَیَّضَ اللہ لہ من یکرمہ عند سِنِّہ (ترمذی ۲/۲۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی جوان کسی بوڑھے کا (اس کے ایمان اور فضل و کمال سے قطع نظر) صرف بڑھاپے کی وجہ سے اکرام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں بھی اس کا اکرام کرنے والے پیدا فرما دیتے ہیں۔

قرآن کریم کی عظمت و اہمیت:

☆ حضرت سعد بن عبادہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : جو شخص قرآن پڑھ کر بھلا دے تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس حال میں آئے گا کہ کوڑھ کے مرض کی وجہ سے اس کے اعضاء جھڑے ہوئے ہوں گے۔ (سنن ابوداؤد)

اولاد کی تربیت

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہریؒ

بہت سے لوگوں کو اولاد کی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں، اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور اولاد گلی کوچوں میں بھٹکتی پھرتی ہے، بچوں کے لیے پیٹ کی روٹی اور تن کے کپڑوں کا تو انتظام کر دیتے ہیں لیکن ان کی باطنی پرورش، یعنی اخلاقی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے، انہیں پتہ نہیں کہ تربیت کیا چیز ہے اور بچوں کو کیا سکھائیں اور کیا سمجھائیں؟ اس عظیم غفلت میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو خود تو نمازی ہیں اور کچھ اخلاق وآداب سے بھی واقف ہیں، لیکن ملازمت یا تجارت میں اس طرح اپنے آپ کو پھنسا دیا ہے کہ بچوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے ان کے پاس گویا وقت نہیں، حالاں کہ زیادہ کمانے کی ضرورت اولاد ہی کے لیے ہوتی ہے، جب زیادہ کمانے کی وجہ سے خود اولاد ہی کے اعمال واخلاق کا خون ہو جائے تو ایسا کمانا کس کام کا؟

بعض لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو اچھا خاصا علم بھی رکھتے ہیں، مصلح بھی ہیں اور مرشد بھی ہیں، دنیا بھر کے لوگوں کو راہ دکھاتے ہیں، سفر پر سفر کرتے رہتے ہیں، کبھی یہاں وعظ، کبھی وہاں تقریر، کبھی کوئی رسالہ لکھا، کبھی کوئی کتاب تالیف کی، لیکن اولاد کی اصلاح سے بالکل غافل ہیں، حالاں کہ اپنے گھر کی خبر لینا سب سے بڑی ذمہ داری ہے، اولاد کی جانب سے جب چند سال غفلت برت لیتے ہیں اور ان کی عمر دس بارہ سال ہو جاتی ہے تو اب ان کو صحیح راہ پر لگانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنھیں توجہ تو ہے، لیکن وہ اولاد کو حقیقی علم سے بالکل محروم

رکھتے ہیں، یعنی اولاد کو "اسلام" نہیں سکھاتے، بیس بیس سال کی اولاد ہو جاتی ہے، کلمہ تک یاد نہیں ہوتا، یہ لوگ نہ نماز جانتے ہیں، نہ اس کے فرائض، نہ واجبات، نہ اسلام کے عقائد پہچانیں، نہ دین کو جانیں، اس قسم کے لوگ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو یورپ کے طور طریق سب کچھ سکھاتے ہیں، کوٹ، پتلون پہننا بتاتے ہیں، اپنے ہاتھ سے ان کے گلوں میں ٹائی باندھتے ہیں، ناچ رنگ کے طریقے سمجھاتے ہیں، عورتیں شادی بیاہ کی رسمیں بتاتی ہیں، شرکیہ باتوں کی تعلیم دیتی ہیں اور اس طرح سے ماں باپ دونوں مل کر بچوں کا خون کر دیتے ہیں اور طرہ یہ کہ ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا بچہ اور بچی ماڈرن ہیں، ترقی یافتہ لوگوں میں شمار ہونے لگے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ان کی آخرت برباد ہوگئی، اعمال بد کے خوگر ہوگئے، اسلام سے جاہل رہ گئے۔

دو حدیثوں کا ترجمہ پڑھیے:

۱- حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے بچوں کو ادب سکھائے تو بلاشبہ یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع غلہ وغیرہ صدقہ کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ترمذی)

۲- حضرت عمر بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بچہ کو کوئی ایسی بخشش نہیں دی، جو اچھے ادب سے بڑھ کر ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

"ادب" بہت جامع کلمہ ہے، انسانی زندگی کے طور طریق کو "ادب" کہا جاتا ہے، زندگی گزارنے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں آتے ہیں، بندہ اللہ جل شانہ کے بارے میں جو عقائد رکھنے پر مامور ہے اور اللہ کے احکام پر چلنے کا جو ذمہ دار بنایا گیا ہے یہ وہ آداب ہیں جو بندے کو اللہ کے اور اپنے درمیان صحیح تعلق رکھنے کے لیے ضروری ہیں، فرائض و واجبات، سنن و مستحبات وہ امور ہیں جن کے انجام دینے سے حقوق اللہ کی ادائیگی ہوتی ہے، مخلوق کے ساتھ جو انسان کے تعلقات ہوتے ہیں، ان میں احکام کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، جو مخلوق کی راحت رسانی سے متعلق ہیں، ان میں بھی واجبات اور مستحبات ہیں اور ان کی تفصیل

وتشریح بھی شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں وارد ہوئی ہے، یہ وہ آداب ہیں جن کا برتنا مخلوق کے لیے باعث راحت ورحمت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ''ادب'' کی جامعیت حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو شامل ہے، یہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اچھے ادب سے بڑھ کر کسی باپ نے اپنے بچہ کو کوئی بخشش نہیں دی'' اس میں پورے دین کی تعلیم آجاتی ہے، کیوں کہ دین اسلام اچھے ادب کی مکمل تشریح ہے، بہت سے لوگ لفظ ادب کے معروف معنی مراد لے کر اس کا رواجی مطلب لے لیتے ہیں اور انہوں نے اٹھنے بیٹھنے کے طریقوں تک ہی ادب کا انحصار سمجھ رکھا ہے۔

صدقہ وخیرات اگرچہ فی نفسہ بہت بڑی عبادت ہے (اگر اللہ کی رضا کے لیے ہو) لیکن اس کا مرتبہ اپنی اولاد کی اصلاح پر توجہ دینے سے زیادہ نہیں ہے، بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جنہیں اللہ جل شانہ نے مال دیا ہے، وہ اس میں سے صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور اولاد کی طرف سے پوری غفلت برتتے ہیں، مسکین آرہے ہیں، گھر پر کھا رہے ہیں، غریبوں کی روٹی بندھی ہوئی ہے، مدارس اور مسجدوں میں چندہ جارہا ہے، لیکن اولاد بے ادب، بے دین، بلکہ بد دین بنتی چلی جارہی ہے، وہ صدقہ وخیرات کرنے پر خوش ہیں اور خوش ہونا بھی چاہیے، لیکن اس سے بڑھ کر عمل جو ہے، جس کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، وہ اپنی اولاد کو ادب سکھانا ہے، یعنی اللہ کے راستہ پر ڈالنا، اس کے لیے فکرمند ہونا لازمی امر ہے، اس غفلت سے نسلیں تباہ ہوجاتی ہیں۔

ماں باپ کا فریضہ ہے کہ بچوں کو دین سکھائیں اور دین کو سب سے زیادہ اہمیت دیں، کیوں کہ دین ہی آخرت کی ہمیشہ والی زندگی میں کام دینے والا ہے، بہت سے لوگ بچوں سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں، مگر ان کی یہ محبت صرف دنیاوی آرام وراحت تک محدود رہتی ہے، ان کی اصل ضرورت، یعنی آخرت کی نجات اور موت کے بعد کے آرام وراحت کی طرف توجہ نہیں کرتے، حلال مال جائز طریقے پر کھلانا، پلانا اور پہنانا اچھی بات ہے، لیکن انسان کی سب سے بڑی ضرورت آخرت کا آرام وسکون ہے۔

بچوں کی خوشی کے لیے ان کو غیر ضروری لباس پہناتے ہیں، ان کے لیے تصویریں، مورتیاں خرید کر لاتے ہیں اور اپنے گھروں کو ان کی وجہ سے رحمت کے فرشتوں سے محروم رکھتے ہیں، ان کی جائز وناجائز ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اور شوقیہ زیب وزینت اور فیشن پر اچھی خاصی رقمیں خرچ کرتے ہیں، لیکن ان کو دین پر ڈالنے کی فکر نہیں کرتے، یہ بچوں کے ساتھ بہت بڑی دشمنی ہے، اگر دین نہیں ہے تو آخرت تباہ ہوگی۔ اپنی اولاد کے سب سے بڑے محسن وہ ماں باپ ہیں جو اپنی اولاد کو دینی علم پڑھاتے ہیں اور دینی اعمال پر ڈالتے ہیں، یہ علم نہ صرف اولاد کے لیے، بلکہ خود ان کے والدین کے لیے بھی قبر میں اور آخرت میں نفع مند ہوگا۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے: ''لوگ سو رہے ہیں، جب موت آئے گی تو بیدار ہوں گے۔''

آخرت سے بے فکری کی زندگی گزارنے میں انسان کا نفس خوش رہتا ہے اور یہی حال بال بچوں اور دوسرے متعلقین کا ہے، اگر انہیں آخرت کی باتیں نہ بتاؤ اور کھلائے پلائے جاؤ، دنیا کا نفع پہنچائے جاؤ تو ہشاش بشاش رہتے ہیں اور اس تغافل کو باعث نقصان نہیں سمجھتے، لیکن جب آنکھیں بند ہوں گی اور قبر کی گود میں جائیں گے اور موت کے بعد کے حالات دیکھیں گے تو حیرانی سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، عالم آخرت کی ضرورتیں اور حاجتیں جب سامنے ہوں گی تو غفلت پر رنج ہوگا اور حسرت ہوگی کہ کاش! آج کے دن کے لیے خود بھی عمل کرتے اور اولاد کو بھی یہاں کی کامیابی کی راہ پر ڈالتے، مگر اس وقت حسرت بے فائدہ ہوگی۔

لوگوں کا یہ حال ہے کہ بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی اسکول اور کالج کی نذر کر دیتے ہیں یا محنت ومزدوری پر لگا دیتے ہیں، انہیں نماز، روزہ سکھانے اور بتانے اور دینی فرائض سمجھانے اور ان پر عمل کرانے کی فکر نہیں کرتے، شادیاں ہو جاتی ہیں، باپ دادا بن جاتے ہیں، لیکن بہت سوں کو کلمہ طیبہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتا، نماز میں کیا پڑھا جاتا ہے؟ اس سے بھی واقف نہیں ہوتے، ستر اسی سال کے بوڑھوں کو دیکھا گیا ہے کہ دین کی موٹی موٹی باتیں بھی نہیں جانتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

چند منافع بخش اسکیموں کے شرعی احکام

مولانا اشتیاق احمد قاسمی
استاذ دار العلوم دیوبند

انسانی ہمدردی کے پیشِ نظر سرکار مختلف اسکیمیں جاری کرتی ہے، ان کا مقصد پس ماندہ طبقات کو اوپر اٹھانا ہوتا ہے، ان کے ذریعے تعلیم، صحت، علاج، مکان، تجارت اور زراعت وغیرہ میں عام آدمی کو فائدہ ہوتا ہے، بینک اور غیر سرکاری کمپنیاں بھی اس میدان میں سرگرم نظر آتی ہیں، اُن میں بعض صورتیں جائز اور اختیار کرنے کے لائق ہوتی ہیں؛ جب کہ بعض صورتوں سے احتراز کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ذیل میں چند صورتیں اور ان کے شرعی احکام لکھے جاتے ہیں۔

بچیوں کی پیدائش پر حکومت کی تعاون اسکیم

ہمارے ملک کے اکثر حصوں میں لڑکی کی شادی میں بڑے خرچ ہوتے ہیں، بعض علاقے میں دینے کا شوق اور بعض میں کھل کر یا دبی زبان سے مانگنے کا رواج ہے، اس طرح بچی کی شادی کو گراں باری کا سبب سمجھا جاتا ہے، اسی وجہ سے ہزاروں بچیاں بلا نکاح بڑھاپے کو پہنچ جاتی ہیں اور بہت سی بچیوں کو پیدا ہونے سے پہلے ہی شکم میں قتل کر دیا جاتا ہے؛ جب کہ بہت سی بچیاں خود کُشی کا اقدام کر بیٹھتی ہیں اور بعض مرتد ہو کر غیر مسلم سے نکاح کر لیتی ہیں۔

(الف) غرض یہ کہ انھیں صورت حال کے پیشِ نظر حکومت نے تعاون کی ایک اسکیم بنائی ہے کہ بچیوں کی ولادت کے بعد متعلقہ محکمہ سے فارم کی خانہ پوری کی جاتی ہے، پھر حکومت اس بچی کے نام پر بینک میں دس ہزار روپے جمع کرتی ہے اور پندرہ سال بعد کھاتے میں ایک لاکھ روپے جمع کر دیے جاتے ہیں، شروع میں یا درمیان میں بچی یا اس

کے والدین کی طرف سے کچھ جمع نہیں کرنا پڑتا اور نہ ہی اس مدت میں کوئی اس کھاتے سے رقم نکال سکتا ہے، یہ اسکیم بہت اچھی ہے مسلمانوں کو بھی اس سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ اس لیے کہ ابتدائی دس ہزار پر بچی کی ملکیت تام نہیں ہوتی؛ اس لیے اس پر اضافہ کو سود نہیں کہا جاسکتا، سود کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی، یہ عطیہ اور ہبہ ہے، پوری رقم سرکاری تعاون ہے، اس سے استفادہ جائز ہے، اس کی نظیر پراوی ڈنٹ فنڈ ہے کہ اس پر ملنے والا اضافہ تنخواہ کا حصہ بن کر تعاون اور ہبہ کے زمرے میں آتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۳۹۴ ڈابھیل، رحمیہ ۵/ ۱۵۱، احسن الفتاویٰ ۷/ ۳۵)

الربا هو فضلٌ خالٍ عن عوضٍ مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة فليس الفضلُ في الهبة بربا۔ (ردالمحتار ۷/ ۳۹۸ زکریا)

(ب) تعاون کی ایک شکل یہ ہے کہ بچی کی ولادت کے بعد اس کے نام پر بینک میں کھاتا کھول کر ہر ماہ متعین رقم جمع کی جاتی ہے، پھر جب لڑکی اٹھارہ سال کی ہوتی ہے تو جمع شدہ رقم کی تین گنی مقدار حکومت کی طرف سے اس کے کھاتے میں جمع کردی جاتی ہے، مثلاً دو لاکھ ہو تو چھ لاکھ حکومت جمع کراتی ہے، یہ تعاون کی شکل ہے، مگر ناجائز ہے؛ اس لیے کہ اس پر سود کی تعریف صادق آتی ہے، نقد پر اضافہ مل رہا ہے۔

بے روزگار نوجوانوں کے لیے تعاون اسکیم

آج بہت سے نوجوان پڑھ لکھ کر بے کار بیٹھے ہیں، ان کو کوئی نوکری نہیں ملتی، ایسے افراد کے لیے حکومت کی طرف سے تعاون کی ایک شکل یہ اپنائی جاتی ہے کہ حکومت طلب گار کو حسب شرائط ایک لاکھ روپے دیتی ہے، جس میں اسّی ہزار روپے تعاون کے طور پر دیے جاتے ہیں، اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں ہوتا؛ البتہ بیس ہزار روپے بہ طور قرض ہوتے ہیں، اس کی واپسی میں جتنی تاخیر ہوگی اُتنا ہی سود بڑھے گا۔

مسلمانوں کو اولاً تو سود میں کسی طرح سے پڑنا نہیں چاہیے؛ اس لیے کہ ایسے معاملات میں برکت نہیں ہوتی، سودی ادارے ہرا باغ دکھا کر کہیں نہ کہیں ضرور اپنا فائدہ مقدم کرلیتے ہیں، پھر بھی اگر کوئی نوجوان اس اسکیم سے فائدہ اٹھانا چاہے تو کراہت کے ساتھ اٹھا سکتا ہے، وہ کوشش کرے کہ سود دینے کی نوبت نہ آئے، اگر نوبت آجائے تو بیس ہزار پر آنے والا سود اسّی ہزار سے آگے نہ بڑھے، جب تک اسّی کے اندر اندر رہے گا اس پر شرعی سود کی تعریف صادق نہیں آئے گی، اگرچہ حکومت اسے سود کہے؛ اس لیے کہ بیس ہزار ایک لاکھ کا حصہ ہی تھا دونوں کا معاملہ ایک ہے۔

اگر کوئی نوجوان اس سے استفادہ کرتا ہے تو اس کو اس وقت تک جائز کہا جائے گا جب تک کہ بیس پر سود کا اضافہ اسّی ہزار کے اندر اندر رہے، حضرت الاستاذ مفتی محمد نظام الدین اعظمیؒ نے ''منتخبات نظام الفتاویٰ'' (۳/ ۱۸۳) میں اسی انداز کی بات لکھی ہے اور مفتی احمد خان پوری مدظلہ العالی نے بھی محمود الفتاوی (۲/ ۳۳) میں اس کی تائید فرمائی ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے قرض اسکیم

تعلیم کے فروغ کے لیے حکومت بینک سے طالب علم کو قرض دلاتی ہے، دورانِ طالب علمی اس پر عائد ہونے والا سود حکومت خود ادا کرتی ہے، طالب علم کو ادا نہیں کرنا پڑتا؛ البتہ تعلیم کی تکمیل کے بعد اگر طالب علم قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرتا ہے تو اس کو اصل قرض پر سود دینا پڑتا ہے۔

اس اسکیم سے بھی مسلم طلبہ کو دور رہنا چاہیے؛ اس لیے کہ سود میں یہ بھی داخل ہے اور اگر کوئی طالب علم یہ قرض لے لے تو تعلیم کی تکمیل کے بعد بلا تاخیر اس کو ادا کردے؛ تاکہ سود دینے کی نوبت نہ آئے۔ سود کی حرمت قرآن پاک میں واضح ہے۔

تعلیم کے فروغ کے لیے بینک کی تعاون اسکیم

اَکسِزْ بینک (Axis Bank) نے تعلیم کے فروغ کا ہرا باغ دکھا کر ایک تعاون

اسکیم جاری کی ہے کہ بچے کے والد یا سرپرستان پانچ سال تک سالانہ ایک ایک لاکھ روپے جمع کریں، پانچ لاکھ جمع کر کے بے فکر ہو جائیں، اس سے غیر متعین نفع ملتا رہے گا، یعنی نفع کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی؛ لیکن نقصان نہیں ہوگا۔

یہ اسکیم بھی بینک نے اپنے فائدے میں جاری کی ہے، پانچ لاکھ روپے سے وہ منافع حاصل کرتا رہے گا، اس میں سے تھوڑا اس غریب کو بھی دے گا، اس کی بجائے اگر یہ آدمی اپنی رقم کسی اور تجارت میں لگائے تو بھی اس کو اچھے خاصے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، بینک کی یہ شکل قرض سے نفع حاصل کرنے کی شکل ہے، مضاربت نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں نقصان کا ذکر نہیں ہے، قرض سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، **کل قرض جر منفعةً فهو ربا۔** (اعلاء السنن ۱۴/ ۴۹۸)

مویشی پالن اسکیم

سرکار مویشیوں کو خریدنے کے لیے کسی شخص کو مدد کی غرض سے ایک خطیر رقم مثلاً دس لاکھ روپے دیتی ہے، اس میں سے صرف آدھی رقم یعنی پانچ لاکھ روپے سود کے ساتھ واپس لیتی ہے، اگر کوئی جانور مر جاتا ہے تو بتانے پر اس کی خرید میں صرف ہوئی رقم دوبارہ دیتی ہے، یہ اسکیم بہت اچھی اور جائز حد کے اندر ہے، یہ معاملہ قرض معاف کرنے کے قبیل سے ہے، مبسوطِ سرخسی میں ہے:

إذا أقرض الرجلُ الرجلَ الدراهم ثم صالحه منها على أقل من وزنها فهو جائز۔ (مبسوط سرخسی ۱۴/ ۳۸)

پانچ لاکھ کی واپسی میں اگر سود دینے کی نوبت آئے اور وہ کل قرض (دس لاکھ) سے آگے نہ بڑھے تو بھی معاملہ حرام نہیں ہوگا، جیسا کہ بے روزگار نوجوانوں کے تعاون والی صورت میں بتایا جا چکا۔

”ڈرابیک“ پالیسی

ملکی مصنوعات کو غیر ملک بھیجنے کو ایکسپورٹ (برآمد) کہا جاتا ہے، سرکار ہر مصنوع کے ایکسپورٹ پر الگ الگ فی صد کے حساب سے ”ڈرابیک“ (واپسی اِضافی رقم) دیتی ہے، جیسے ایک تاجر نے پیاز ایکسپورٹ کیا تو سرکار اس تاجر کو پیاز کی قیمت کا تین فی صد اپنی طرف سے حوصلہ افزائی کے لیے دیتی ہے، اس پالیسی سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، یہ حکومت کا انعام کہا جائے گا۔ ملکی معیشت کے فروغ کے لیے حکومت یہ اقدام کرتی ہے۔

”ڈبیٹ کارڈ“ استعمال کرنے پر منافع اسکیم

بعض بینک اپنے صارفین کو ڈبیٹ کارڈ استعمال کرکے خریداری کرنے پر پانچ فی صد نقد واپس کرتی ہے، یہی کارڈ اگر پلین کے اندر یا ائرپورٹ پر استعمال کیا جائے تو بیس فی صد نقد واپس کرتی ہے، مثلاً سو روپے کا سامان خریدا تو اسی روپے ہی صرف ہوتے ہیں۔ بیس روپے واپس آجاتے ہیں۔

اس کے لینے میں بھی حرج نہیں؛ اس لیے کہ بینک کو اس کمپنی کی طرف سے جس کا سامان خریدا گیا ہے نفع حاصل ہوتا ہے، اسی نفع میں سے صارفین کو کچھ فی صد دیتا ہے، اس کو حوصلہ افزائی کی تدبیر اور انعام کہا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ بات الگ ہے کہ اگر مجبوری نہ ہو تو اس کارڈ کو خرید کے لیے استعمال نہ کیا جائے؛ اس لیے کہ یہ سودی نظام کے فروغ واستحکام کا حصہ ہے۔

ضروری اعلان

دفتر ماہنامہ مظاہرعلوم سے براہ راست فون/ واٹس ایپ کے ذریعہ رابطہ کرنے کے لئے نمبر 8923235542 نوٹ فرمالیں نمبر نوٹ فرمالیں۔ (ادارہ)

مسلمانوں کی ترقی کے اہم اور بنیادی اَسباب

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

مسلمانوں کی ترقی کے اہم اور بنیادی اَسباب:

سب سے پہلے ہم لوگوں کو اپنا یہ فکر وعقیدہ درست، مضبوط اور مستحکم کرنے کی ضرورت ہے کہ اِسلام کی بنیاد ''مادیت'' کے بجائے ''روحانیت'' پر رکھی گئی ہے، یہاں کامیابی وناکامی کا مدار: ظاہری اَسباب وتدابیر سے پہلے، روحانی اَعمال واَشغال پر رکھا گیا ہے، ایک مسلمان کی کسی بھی کوشش اور تدبیر میں برکت اور تاثیر اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اُس کے پیچھے عقیدہ کی صفائی اور پختگی، عمل کی پاکیزگی اور درستگی، کردار کی شفافیت اور بلندی کی پشت پناہی بھی موجود ہو۔

تقدیر پر ایمان کی اہمیت:

ایک سچے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول پر، قرآن اور دیگر آسمانی کتابوں پر، فرشتوں اور غیب کی باتوں پر، قیامت اور آخرت پر، اور اِن سب کے ساتھ بطور خاص ''تقدیر'' پر کامل اِیمان اور مکمل بھروسہ رکھتا ہو، اُس کا یہ پختہ یقین ہو کہ دنیا میں جو کچھ بھی خیر وشر پیش آتا ہے وہ ایک طے شدہ تکوینی نظام کے تحت ہوتا ہے، اِس لیے نہ تو کسی نعمت اور کامیابی پر حد سے زیادہ اِترانے کا موقع ہے، اور نہ ہی کسی مصیبت اور مشکل پر مایوس ہونے کی ضرورت ہے: {ما أصاب من مصيبة في الأرض ولا في أنفسكم إلا في كتاب من قبل أن نبرأها، إن ذلك على الله يسير، لكيلا تأسوا على ما فاتكم ولا تفرحوا بما آتاكم} (الحدید: ۲۲-۲۳)
(جو مصیبت دنیا میں آتی ہے، یا خاص تم کو پیش آتی ہے وہ سب تمہاری پیدائش سے پہلے ہی ایک ''کتاب'' میں لکھی ہوئی ہے، اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے (علمِ غیب ہونے کی وجہ سے)، اور اِس بتانے کا مقصد یہ ہے کہ کسی نعمت کے فوت ہوجانے پر تم حد سے زیادہ رنج

بھی مت کیا کرو، اور کسی خوشی کے ملنے پر زیادہ اِترایا بھی مت کرو)۔

لہٰذا ایک مسلمان کو تقدیر پر بہت مضبوط ایمان رکھنا ضروری ہے، مؤمن کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اگر ساری دنیا مل کر بھی ہم کو کوئی نفع پہنچانا چاہے تو اُس وقت تک نہیں پہنچا سکتی جب تک ہماری تقدیر میں وہ بات لکھی ہوئی نہ ہو، اِسی طرح ساری دنیا مل کر بھی ہمارا ایک بال بھی بیکا نہیں کرسکتی، الایہ کہ قسمت ہی میں اسی طرح لکھا ہوا ہو، اِس لیے ہم کو کسی بھی معاملہ میں نہ تو غیر اللہ سے کسی قسم کی توقع قائم کرنے کی ضرورت ہے، اور نہ ہی کسی طرح کا خوف اور مرعوبیت کا احساس کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ سارے اہلِ اقتدار، اربابِ حکومت، اور زور آور افراد وطبقات: أحکم الحاکمین (تمام حکم رانوں کے حاکم اور شہنشاہ) کی نہایت معمولی اور حقیر سی مخلوق ہیں، ان کے ذریعہ کبھی تو وہ اپنے نیک بندوں کو آزماتے ہیں کہ اپنے دعویٔ ایمان ومحبت میں سچے بھی ہیں یا نہیں؟: {ولنبلونکم حتی نعلم المجاھدین منکم والصابرین ونبلو أخبارکم}(محمد :۳۱) (اور یقیناً ہم تم کو آزمائیں گے تاکہ دیکھیں کہ تم میں سے کون مجاہد ہیں اور کون ثابت قدم رہنے والے ہیں؟ اور تاکہ تمھارے (اطاعت وفرمانبرداری کے دیگر) حالات کو (بھی) جانچیں)۔

کبھی ان کے درجات کو بڑھانے کے لیے شر پسندوں کے ذریعہ کچھ ظاہری تکالیف میں مبتلا کردیتے ہیں: {ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ وإلینا ترجعون}(الأنبیاء :۳۵) (اور ہم تم کو آزمائیں گے شر سے، بھی خیر سے بھی، اور ہماری ہی طرف تم کو لوٹ کر آنا ہے۔ لہٰذا اصل بدلہ وہیں ملے گا۔)۔

اور کبھی ہماری بداعمالیوں اور سرکشی کے نتیجہ میں بطور سزا اور عذاب کے بھی سخت دل حاکم اور ظالم حکم راں مسلط کردیئے جاتے ہیں، جیسا کہ بنی اسرائیل کے قصے میں ہے: {فإذا جاء وعد أولاھما بعثنا علیکم عبادا لنا أولي بأس شدید فجاسوا خلال الدیار وکان وعداً مفعولاً}(الاسراء :۵) (کہ جب انھوں نے زمین میں سرکشی کی اور فساد پھیلایا تو ہم نے اپنے وعدے اور تہدید کے مطابق ان پر اپنے کچھ بندوں کو مسلط کردیا، جو اُن کے علاقوں پر پوری طرح قابض ہوگئے، اور یہ ایک طے شدہ معاملہ تھا)۔

ایک اور جگہ اللہ کا ارشاد ہے: {وإذا أردنا أن نهلك قرية أمرنا مترفيها ففسقوا فيها، فحق عليها القول فدمرناها تدميراً} (الاسراء :۱۶) (اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوش حال لوگوں کو (اِیمان اور اِطاعت کا) حکم دیتے ہیں، پھر وہ نافرمانیاں کرتے ہیں، تو اُن پر حجت تمام ہوجاتی ہے، چنانچہ ہم انھیں تباہ وبرباد کرڈالتے ہیں)۔

اِس کے برخلاف اللہ تعالی نے یہ وعدہ بھی فرمایا ہے کہ اگر لوگ ایمان لائیں اور تقوی اختیار کریں تو ہم اُن پر آسمان وزمین کی برکتوں کا دہانہ کھول دیں: {ولو أن أهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والأرض} (الاعراف :۹۶)۔

حاصل یہ کہ بہرصورت اچھے برے تمام معاملات اور فیصلے اُدھر ہی سے طے پاتے ہیں، اِس لیے ہماری ساری امیدوں اور توقعات کا واحد مرکز، اور ہمارے سارے خوف اور خشیت کا واحد محور: اللہ سبحانہ وتعالی کی ذاتِ پاک ہونی چاہیے اور بس: "لا ملجأ ولا منجى منك إلا إليك" (اے ہمارے رب! آپ کے علاوہ نہ ہماری کوئی پناہ گاہ ہے، اور نہ ہی کوئی ذریعۂ نجات)، یہ صرف ایک دعا اور ذکر ہی نہیں ہے، بلکہ ہر مسلمان کا عقیدہ اور ہر مؤمن کا ایمان ہے۔

آج کل جو لوگ مسلمانوں کے دل میں غیر اللہ کا خوف بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، یا کسی اور سے امیدیں قائم کراتے اور توقعات وابستہ کراتے ہیں، وہ ہمارے ایمان کے لیے، ہمارے فکر وعقیدہ کی مضبوطی اور استحکام کے لیے سخت نقصاندہ اور انتہائی مضر ہیں، ایسے افراد اور طبقات سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

توکل کی اہمیت :

اِسی طرح "توکل" بھی دِین کی اہم بنیادوں میں سے ہے، اور اُس کی حقیقت صرف اِتنی ہے کہ آدمی اپنا یہ عقیدہ بنالے کہ اَسباب چاہے جتنے بھی جمع ہوجائیں؛ مگر اللہ کی مشیئت، اُس کے اِرادہ، اُس کے اَمر اور اِذن کے بغیر کائنات کا ایک ذرّہ بھی ہِل نہیں سکتا، اِسی طرح اِس کے برعکس اَسباب کچھ بھی نہ ہوں، مگر اللہ تعالی کا حکم ہوجائے تو بے موسم کے پھل

بھی مہیا ہو سکتے ہیں، شعلہ برساتی آگ گل وگلزار بھی ہو سکتی ہے، طغیانی پر آمادہ دریا خاموشی سے راستہ بھی دے سکتا ہے، ابرہہ کے سرکش لشکر کو ابابیل جیسی معمولی چڑیا کے ذریعہ ہلاک بھی کیا جا سکتا ہے، اور بے سروسامان چھوٹی سی جماعت، بڑی سے بڑی سپر پاور طاقتوں کو شکستِ فاش بھی دے سکتی ہے: {قال الذین یظنون أنهم ملاقو اللہ کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة بإذن اللہ و اللہ مع الصابرین} (سورۃ البقرۃ: ۲۴۹) (جن کو اللہ سے ملنے کا یقین تھا انھوں نے کہا کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بہت بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں، اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہیں)۔

دشمنوں کے ظلم وستم سے مقہور، حالات کی سختی اور شدت سے مجبور، مگر ''توکل'' کی پونجی کو محفوظ رکھنے والے اور صرف وصرف اللہ ہی پر بھروسہ کرنے والے اپنے اولوا العزم بندوں کی ترجمانی قرآن کریم ان الفاظ میں کرتا ہے: {وما لنا أن لا نتوکل علی اللہ وقد هدانا سبلنا، ولنصبرن علی ما آذیتمونا، وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون، وقال الذین کفروا لرسلهم لنخرجنکم من أرضنا أو لتعودن في ملتنا، فأوحی إلیهم ربهم لنهلکن الظالمین، ولنسکننکم الأرض من بعدهم، ذلک لمن خاف مقامي وخاف وعیدِ} [ابراہیم ۱۲: -۱۴]۔

(اور ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ پر توکل نہ کریں، جب کہ اُسی نے ہم کو ہدایت دی ہے، اور ہم یقیناً صبر کریں گے تمھاری ایذاؤں اور تکلیفوں پر، اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے توکل کے دعوے داروں کو، اور کافروں نے ہمارے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمھیں اپنی زمین سے نکال دیں گے ورنہ تو ہمارے مذہب میں آجاؤ، تو اُن کے رب نے اُن (کو تسلی دیتے ہوئے، اُن) کی طرف وحی کی کہ ہم یقیناً ظالموں کو ہلاک کر دیں گے، اور زمین میں اُن کے بجائے تمھیں بسا دیں گے، مگر یہ سب ہمارے وعدے اُن کے لیے ہیں جو میرے سامنے پیشی کا استحضار رکھتے ہوں، اور میری وعید اور عذاب سے ڈرتے ہوں — لہٰذا اصلاح وتقوی اختیار کرتے ہوں —)۔

حاصل یہ کہ ایک مؤمن کے لیے اللہ پر توکل اور اعتماد یہ بھی بہت بڑا سرمایہ اور غیر اللہ

کے خوف اور مرعوبیت سے نکلنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اِس لیے تقویٰ وطاعت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ اللہ کی قدرتِ کاملہ پر یقین پیدا کرنا کلیدِ کامرانی ہے۔

جائز تدبیر کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں

البتہ توکل کے ساتھ ساتھ جائز اور ضروری تدابیر اختیار کرنا بھی شریعت ہی کا حکم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''إن اللہ أنزل الداء والدواء، وجعل لکل داء دواء، فتداووا، ولا تداووا بالحرام'' (ابوداود ۲/۵۴۱) (کہ مرض اور علاج دونوں اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیے ہیں، اور ہر بیماری کی دوا بھی اتاری ہے، لہٰذا تم لوگ علاج اختیار کرو، مگر حرام طریقوں (اور دواؤں) سے نہیں)۔لہٰذا ناجائز اسباب وتدابیر کا اختیار کرنا بہر حال ممنوع ہوگا خواہ مقصد کتنا ہی نیک ہو۔

اور جائز سبب: اگر (عادۃً) اُس کا نفع یا نقصان یقینی ہو، تو نفع کی صورت میں ایسے اسباب کا ترک کرنا جائز نہیں، جیسے کھانے سے آسودگی ہوجانا، یا پینے سے سیرابی ہوجانا، اور نقصان کی صورت میں اُس سے بچنا واجب ہے، جیسے آگ میں ہاتھ ڈال دینا، لہٰذا اگر کسی نے ایسے مفید اَسباب کو ترک کیا، یا ایسے مضر اسباب کو اختیار کیا، پھر اُس کو کوئی دینی یا دنیوی نقصان ہوگیا تو شرعاً گنہ گار ہوگا، ''تَسحَّروا''، ''تَزَوَّدُوا''، ''تَزَوَّجُوا'' وغیرہ شریعت کے اَوامر، اور صومِ وصال، صومِ سفر وغیرہ سے ممانعت کی یہی حکمت بتلائی گئی ہے۔

اور اگر وہ یقینی کے بجائے ''ظنی'' سبب ہو، اور نتیجہ زیادہ تر تو موافق ہوتا ہو، مگر بار ہا خلاف بھی ہوجاتا ہو، جیسے علاج کے ذریعہ صحت ہوجانا، مزدوری نوکری کے ذریعہ روزی ملنا، وغیرہ، تو ایسے اسباب کا ترک کرنا صوفیہ کے یہاں ''توکّل'' کہلاتا ہے، یہ توکّل عام لوگوں کے لیے تو جائز نہیں، ہاں خواصِّ امت اور اہل اللہ کے لیے جائز ہے، بلکہ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ کسی قدر مستحب اور مؤکّد بھی۔

اور اگر وہ سبب: وہمی اسباب کی قبیل سے ہو، جن کو اہلِ حرص وطمع اختیار کرتے ہیں، اور جس کو شریعت میں ''طولِ اَمَل'' کہا جاتا ہے، تو ایسے اسباب کا ترک کرنا شریعت میں مطلوب اور محمود ہے، دیندار مسلمانوں کو اِن میں زیادہ نہ پڑنا چاہیے۔

اتحاد امت کا فارمولہ؛ کتنا صحیح اور کتنا غلط؟

محمد راشد گورکھپوری
استاد مظاہر علوم سہارنپور

آجکل یہ خیال بہت تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے کہ فرق اسلامیہ کے آپس میں الجھنے کی وجہ سے امت مسلمہ متحد نہیں ہو پا رہی ہے اگر اسلامی فرقے باہم متحد ہو جائیں تو موجودہ پستی سے نکلا جاسکتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اتحاد امت کامیابی کی کلید ہے، اس کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور ہر مسلمان کو اس میں مخلصانہ کوشش بھی کرنی چاہیے لیکن یہ اتحاد عملی طور پر ملی وقومی مشترکہ مسائل میں ہونا چاہیے نہ کہ باطل عقائد ونظریات میں۔

قرآنی اصول کو سامنے رکھ کر حدود کے اندر رہتے ہوئے وحدت کی دعوت دی جائے تو یہ محمود وپسندیدہ ہے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کو دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ”یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئا" کہ اے اہل کتاب ایسے قول کی طرف آجاؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔

گویا وضاحت کر دی گئی کہ یہ ہے وہ اصل جو ہم دونوں کو مسلم ہے اور جس کی قدر وقیمت پر ہم دونوں کا اتفاق ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ: "اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہشمند ہو جو عقائد ونظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اس چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر

دونوں کا اتفاق ہوسکتا ہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ کی طرف دی جس پر دونوں کا اتفاق تھا" (معارف القرآن)

اس اصول کو سامنے رکھ کر کلمۂ اسلام، توحید ورسالت، عقیدہ آخرت اور قبلہ وکعبہ کے نقطے پر مسلم فرقے متحد ہونے کے ساتھ ملی مسائل میں متحد ہوجائیں تو یہ وقت کی ضرورت بھی ہے اور محمود ومطلوب بھی۔ اتحاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگ اختلافی مسائل سے دستبردار ہوجائیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وسعت قلبی کا ثبوت دیتے ہوئے متفقہ اور ملی مسائل مشترکہ طور پر اٹھائیں۔

اتحاد کو کلی موافقت کا نام دینا ایک مغالطہ ہے جس سے دین کو ہر طرح کی آمیزش سے پاک رکھنے والے حضرات گھبراتے ہیں لیکن اتحاد کا یہ معنی اگر پیش نظر ہو تو حیرانی و پریشانی کی کوئی وجہ نہیں، اتحاد کے لیے کسی ایک چیز میں اشتراک بھی کافی ہے۔

اتحاد امت کا اعلی درجہ وہ ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے: "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" کہ تم سب مل کر اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑلو اور تفرقہ نہ ڈالو۔

تمام فرقے اس قرآنی مطالبہ پر عمل کرتے ہوئے "صراط مستقیم" پر جمع ہوجائیں اور اپنے اپنے باطل نظریات سے کنارہ کشی اختیار کرلیں تو امت کا یہ اجتماع کامیابی کا ضامن ہوگا ان شاء اللہ۔

اب جو لوگ اللہ کی یہ رسی ترک کرکے دور چلے جائیں وہ تفرقہ پیدا کرنے کے مجرم اور اتحاد امت کو نقصان پہنچانے والے ہوں گے پھر جو جس درجے میں رسی ڈھیلی کرے گا یا چھوڑے گا وہ اسی درجہ میں اتحاد کو نقصان پہنچانے والا ہوگا۔

ایسے موقع پر دوسرے لوگ جو اس رسی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ رسی چھوڑنے والوں کو بتائیں کہ تمہارے ہاتھ سے رسی چھوٹ رہی ہے، حبل اللہ کے تارکین کو تھامنے والوں کے ساتھ شامل سمجھنا یا تھامنے والوں کو تارکین کی صف میں شامل ہونے کی دعوت دینا دونوں صورتیں ظلم و ناانصافی پر مبنی ہیں۔ قرآن میں ہے: "ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون" (بقرہ پ ۱/ ۴۲) کہ حق کو

باطل سے نہ ملاؤ اور دانستہ طور پر حق کو نہ چھپاؤ۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں: **"فنهاهم عن الشيئين معا وامرهم باظهار الحق و التصريح به۔ ولهذا قال الضحاک عن ابن عباس و لا تلبسوا الحق بالباطل لا تخلطوا الحق بالباطل و الصدق بالكذب"** (ابن کثیر) کہ اللہ نے یہود کو دو چیزوں میں خلط ملط کرنے سے منع کیا اور حق بات ظاہر کرنے اور اسے کھول کھول کر بیان کرنے کو کہا اور اسی وجہ سے ضحاک تابعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ حق کو باطل کے ساتھ اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ۔

آیت کریمہ کی وضاحت میں تفسیر خازن کی عبارت یہ ہے: **"فعلى كل احدان لا يلبس الحق بالباطل و لا يكتم الحق لما فيه من الضرور و الفساد و فيه دلالة أيضاً على ان العالم بالحق يجب عليه اظهاره ويحرم عليه كتمانه"** (تفسیر خازن) ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ حق و باطل کو خلط ملط نہ کرے اور نہ حق کو چھپائے کیونکہ اس میں (دینی) نقصان اور فساد ہے، اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہورہی ہے کہ حق بات جاننے والے پر حق کا اظہار ضروری اور اس کا چھپانا حرام ہے۔

ان آیات شریفہ اور تفاسیر معتبرہ سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ جو بھی حق و باطل کو گڈمڈ کرتا ہے اور حق و باطل کا علم رکھتے ہوئے حق کو چھپاتا ہے تو وہ حکم خداوندی کی مخالفت کرتے ہوئے فساد کا بیج بونا چاہتا ہے۔

ہر صاحب علم پر ضروری ہے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہے اور دونوں کو ایک کرکے فساد کا بیج نہ بوئے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ "کلمہ سواء" میں اتحاد و اتفاق مطلوب ہے "کلمہ افتراق" میں نہیں لیکن کچھ لوگ خلط مبحث کرتے ہوئے ایسے جملے لکھتے اور بولتے ہیں کہ جس سے حق کی حقانیت اور باطل کا بطلان مشتبہ ہوکر رہ جاتا ہے مثلا کہا جاتا ہے کہ:

۱— ہم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا اور نہ کر سکتے ہیں کہ صرف ہماری جماعت حق پر ہے اور جو ہماری جماعت میں نہیں ہے وہ باطل پر ہے۔

۲— جملہ مسالک میں عقائد و نظریات کا اختلاف نہیں بلکہ لفظی و فروعی اختلاف ہے۔

۳— یہ سمجھنا کہ فلاں مکتب فکر مکمل طور پر باطل ہے اور اپنا مکتبہ فکر الف سے یا تک برحق ہے حقیقت تک نہیں پہنچاتا۔

۴— دین کی دعوت دی جائے مسلک کی نہیں۔

۵— فرقہ واریت اور مسلک پرستی سے امت میں اتحاد نہیں ہو پا رہا ہے۔

۶— دین منزل من اللہ ہے مسلک منزل من اللہ نہیں۔

ان چھ جملوں کے الفاظ الگ الگ ہیں، تعبیرات جدا جدا ہیں لیکن سب کا خلاصہ ایک ہے عبارا اتنا شتی و قبحھن واحد کہ کسی ایک مسلک کے حق ہونے کی بات نہ کی جائے چاہے وہ مسلک اہلسنت والجماعت ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ اس سے اختلاف وانتشار پھیلتا ہے، ان خوشنما جملوں سے سادہ لوح لوگ نام نہاد اتحادیوں کے فریب میں آجاتے ہیں اور انکی تلبیس کے شکار ہو کر انہیں کی بولی بولنے لگتے ہیں، جو لوگ امت کو موہوم جان و مال کے خطرے سے بچانے اور پستی سے نکال کر مزعومہ بلندی تک لے جانے کے لیے ملی اتحاد کے بجائے مسلکی اتحاد کو ضروری سمجھ رہے ہیں کیا وہ نبی الانبیاء سے زیادہ امت کے ہمدرد و خیر خواہ ہیں؟ کیا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتحاد کے لئے ہر قسم کے رطب و یابس کو گوارا فرمایا؟ جب الگ الگ اغراض و مقاصد کے تحت امت کو ۷۳ فرقوں میں منقسم ہونا طے تھا جس کو نبی الانبیاء نے اپنے ارشاد میں واضح کر دیا کہ ایک کے سوا باقی دوزخ میں جانے والے ہیں تو کیا اس ایک گروہ کی شناخت اور حفاظت اور اس سے منحرف ہونے والوں کی تردید یا نشاندہی ضروری نہیں ہے؟

سچی بات تو یہ ہے کہ فرقہ واریت کی دہائی دینے والے نظریاتی تحفظ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے

جتنی اہمیت دنیا اور مادی چیزوں کو دیتے ہیں ورنہ دینی نقصان اور فکری انحراف پر بھی وہ اشکبار ہوتے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی بساط بھر شریعت پر چلنے کے مکلف ہیں، امت کے انتشار سے اگر مسلمان ہر شعبہ میں مغلوبیت وتنزلی کے شکار ہیں (حالانکہ تنزلی کے اسباب میں صرف یہی واحد سبب نہیں بلکہ اور بھی اسباب ہیں) تو اس مصیبت سے نکلنے کے لیے ہم اسی قسم کا اتحاد کر سکتے ہیں جو شریعت کے دائرے میں ہو اور وہی اسباب وتدابیر اپنا سکتے ہیں جن کی شریعت میں گنجائش ہے، رہا تکوینیات کا معاملہ تو یہ ہمارے موضوع سے باہر کی چیز ہے اور اسی میں ہماری آزمائش ہے کہ ہم مصیبت سے رہائی اور پستی سے نکلنے کے لئے حدود شریعت سے تجاوز کرتے ہیں یا شریعت کے دائرے میں رہ کر جدوجہد کرتے ہیں؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کے ملفوظات اشرفیہ میں ہے:

فرمایا کہ نااتفاقی اس واسطے مذموم ہے کہ یہ دین کو مضر ہے اور اگر دین کو مفید ہو گو دنیا کو مضر ہو تو وہ مذموم نہیں ـــــ پس خوب سمجھ لو کہ اتفاق صرف اسی وقت محمود ومطلوب ہے جبکہ دین کو مفید ہو اور نااتفاقی جبھی مذموم ہے کہ دین کو مضر ہو اور اگر اتفاق دین کو مضر ہو اور نااتفاقی دین کو مفید ہو تو اس وقت نااتفاقی ہی مطلوب ہوگی

ایک جگہ فرمایا کہ قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جوڑتا ہی نہیں بلکہ کہیں جوڑتا ہے اور کہیں توڑتا ہے جو لوگ حق پر ہوں ان کے ساتھ وصل کا حکم ہے اور جو باطل پر ہوں ان کے ساتھ فصل کا حکم ہے

فرمایا کہ مقتضائے حق یہی ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہے تو اول یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون؛ جب حق متعین ہو جائے تو صاحب حق سے کچھ نہ کہا جائے بلکہ اس کا ساتھ دیا جائے اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جائے

فرمایا کہ فساد کے معنی ہیں حالت کا اعتدال شرعی سے نکل جانا اور یہ افتراق ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کبھی اتفاق سے بھی فساد ہوتا ہے ایسا اتفاق بھی مذموم ہے۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ایک عقل منداور خداترس آدمی اسی وقت کسی مکتب فکر کوقبول کرتا ہے جب وہ کل کا کل برحق سمجھتا ہے اگرمکمل طور پر برحق نہ سمجھے بلکہ کچھ برحق اور کچھ باطل سمجھے تو وہ اسے اختیار ہی کیوں کرے گا؟ حق اور باطل کا مجموعہ کبھی حق نہیں ہوسکتا اگر کوئی شخص دیدہ ودانستہ کچھ برحق اور کچھ باطل سمجھ کر کسی مکتب فکر کواپنا تا ہے تو وہ فاسد اغراض کا اسیر ہے وہ اپنے دین میں مخلص نہیں ہے۔اور جو شخص اعتقادی اختلاف اور گمراہانہ نظریات کو فروعی مسائل کا نام دیتا ہے ایسا شخص خائن ہے اور اگرلاعلمی میں ایسا کہہ رہا ہے تو جس کوحق وباطل اور ہدایت وضلالت کی تمیز نہیں وہ امت کا رہبر نہیں رہزن ہے۔

دعائے نیم شبی

دمِ آخر ہو الا اللہ کی توفیقِ ارزانی
تو سمجھوں واقعی اب ہوگئی تکمیلِ ایمانی

زبان و دل ہوں مصروفِ دعا سجدے میں پیشانی
نہ ہو سکرات طاری دم نکل جائے بآسانی

زبانِ شوق پر ہے أَنتَ مَقْصُودِی وَمَطْلُوبِی
دلِ مضطر کو حاصل ہورہا ہے کیف روحانی

تجرّد، گوشہ گیری، مبتلائے خود فریبی کی
اکھاڑی بیخ و بُن سے آپ نے بنیادِ رہبانی

محبت اور عقیدت میں فقط یہ نعت گوئی ہے
ہے کافی اسمہٗ احمد محمد مدحِ قرآنی

سراپا عاجز و بے بس ہوں اس منزل میں اے عارفؔ
یہ میری نعت گوئی ہے رہینِ فضلِ ربانی

کلام: حضرت مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد/مئو یوپی

طویل مدتی، راہِ عمل!

خالد انور پورنوی، مظاہری

ایڈیٹر ماہنامہ نوائے قاسم، سبل پور پٹنہ

یقیناً ہم بُرے دور سے گزر رہے ہیں، اقتصادی، معاشی، تعلیمی بحران کے ساتھ ہماری جانیں بھی محفوظ نہیں ہیں، انسانوں کی اس بستی میں اخلاق وپہلوخان، تبریز ونوشاد کو بلا کسی وجہ کے یونہی مار دیا جاتا ہے، افسوس تو اس بات کا ہے کہ دیکھنے والے یا تو چپ ہیں، یا مارنے والوں کے ساتھ، شریک ہوجاتے ہیں، پولس وانتظامیہ کی طرف سے بھی مسلسل لاپرواہی، یقیناً بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے؛ مگر کیا یہ بھی سچ نہیں ہے کہ ہم ابھی تک کوئی اہم، اور مضبوط پلان بنانے کیلئے بھی تیار نظر نہیں آرہے ہیں۔

انصاف کیلئے پرامن احتجاج ضروری ہے؛ مگر کیا صرف یہی کافی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو تبریز انصاری کے قتل کے خلاف باوجودیکہ ملک بھر میں سب سے زیادہ احتجاج ہوا، مگر فیصلہ سامنے آتا ہے کہ ہارٹ اٹیک سے موت واقع ہوئی تھی، جذبات میں آکر مشتعل ہوجانا، جلسوں، کانفرنسوں، کے ذریعہ شور وہنگامہ اور غم وغصہ کا اظہار کرنا بھی ضروری ہے؛ مگر کیا یہ ہمارے مسئلے کا حل ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو تین طلاق، سیاہ بل کے خلاف نہ صرف ہم نے جلسوں کا انعقاد کیا؛ بلکہ ہماری عورتیں بھی سڑکوں پر نکل آئیں، اور لاکھوں کی تعداد میں اپنے دستخطی مہم کے ذریعہ سرکار کے اس ظالمانہ قانون کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کیں، مگر کیا ہوا؟ کیا سرکار جھک گئی؟ کیا ہمارے مطالبات مان لئے گئے؟ بلکہ اس کے ذریعے فرقہ پرست طاقتوں کی پبلسٹی ہوئی، جو کام وہ خود نہیں کرسکی، ہم سب جانے، انجانے میں اس کیلئے ایک اشتہار کی طرح استعمال ہونے لگے۔

جذباتی باتوں، بھڑکیلئے بھاشنوں سے کون خوش نہیں ہوتا ہے، مگر اس کے نتائج وانجام پر

بھی غور ہونا چاہئے، یہی ہماری مجبوری ہے کہ ہم مضبوط قوتِ ارادی، جہد مسلسل اور طویل مدتی، راہ عمل طے کرنے کے بجائے وقتی، اور جذباتی نعروں کے پیچھے بھاگنا ہی کافی سمجھنے لگے ہیں؛اسی لئے جب کوئی مصیبت ہم پر آپڑتی ہے،تو مضبوطی سے کوئی فیصلہ لینے، اور اس پر عمل کرنے کے بجائے ،ہم فوراً گھبرا جاتے ہیں، اور جب تھوڑی سی خوشی محسوس ہوتی ہے تو آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں،سوشل میڈیا کے ذریعہ اس کو اتنا شیئر کرتے ہیں، کہ پھر ہم شیئرنگ سے اور آگے نہیں بڑھ پاتے، اور وہ لوگ جاگ جاتے ہیں، جو ہمارے وجود کو مٹانا چاہتے ہیں۔

یقینا یہ بات سوچنے والی ہے، کہ جن کے پاس مستقل کوئی کتاب نہیں، کوئی پیغمبر نہیں، بلکہ کسی ایک خدا پر ان کا آپس میں اتفاق بھی نہیں، نہ جینے کا کوئی مقصد ہے، اور نہ مرنے کے بعد ثواب وعذاب پر کوئی یقین ہے،مگر وہ آج مضبوط پلان کے تحت حاکمِ وقت بنے بیٹھے ہیں، اقتصادی، سیاسی، تعلیمی، سماجی ہر اعتبار سے وہ کامیاب وبامراد ہیں، ملک کے تنظیمی ڈھانچہ پر قبضہ اور کنٹرول بھی انہیں کا ہے، ہزاروں اختلاف کے باوجود وہ سب اپنے آپس میں متحد ومربوط ہیں، اور ہم مسلمانوں کے پاس سب کچھ ہونے کے باوجود، بے مقصد جینا اپنی زندگی کا ہم نے اپنا مقصد بنالیا ہے، اللہ کی طرف سے دستورِ حیات کا ایک تحفہ ہمارے پاس موجود ہے؛ مگر وہ کتاب طاقوں کی زینت بن کر رہ گئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی کا پورا نقشہ ہمارے سامنے موجود ہے؛ مگر عملی زندگی میں ہم نے اسے پیش کرنا چھوڑ دیا ہے، اگر اسی طرح کی بے حسی ہم پر غالب رہی تو حالات مزید خراب ہونے کے امکانات نظر آرہے ہیں۔

طویل مدتی، راہ عمل کیلئے، ہماری نظر میں سب سے بنیادی چیز اعلیٰ تعلیم ہے، امت مسلمہ کی بدحالی، مفلسی اور درماندگی کا علاج اس کے بغیر ممکن نہیں ہے، کہ ایک مشن، ایک تحریک کی طرح تعلیم سے ہمارا رشتہ قائم ہو، یہ ہماری سب سے پہلی ضرورت ہے،ہمیں یہ یقین کرنا ہوگا کہ دینی تعلیم کے ساتھ، عصری تعلیم میں درجہ کمال حاصل کئے بغیر نہ تو اقتصادی ومعاشی بحران کا خاتمہ ہوسکتا ہے، اور نہ ہی ملک کے تنظیمی تانے، بانے میں ہماری شمولیت ہوسکتی ہے، اگر آنے والے

بیس سال کا ہم نے مکمل نقشہ مرتب کر کے تعلیم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا، تو یاد رکھئے! یہ ملک آپ کا ہے، اور اس ملک کی تقدیر آپ کے ہاتھوں ہی لکھی جائے گی۔

ہاں! ہم یہ مانتے ہیں کہ ماحول کو پراگندہ کیا جارہا ہے، سماج میں قائم امن واتحاد کو ختم کرنے کی ساری تدبیریں اپنائی جارہی ہیں، مذہب کے نام پر سماج کو تقسیم کر کے ملک کو غلامی کی زنجیریں جکڑنے کی پوری کوششیں کی جارہی ہیں، ہجومی تشدد کے ذریعہ مسلمانوں کو خوف وہراس کی بیماریوں میں مبتلا کرنے کی سازشیں رچی جارہی ہیں، ایسے ماحول میں پریورتن اور بدلاؤ لانے کیلئے دوسری بنیادی چیز سوشل ورک ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں غور کریں، تو اس بات کی طرف مکمل رہنمائی بھی ملتی ہے، کہ جب سارا عرب آپ کا دشمن ہے، آپ سوشل ورک کی طرف توجہ دیتے ہیں، حدیث کی ساری کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے، کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوتی ہے، آپ پر خوف طاری ہے، غارِ حرا سے گھر آتے ہیں، چادر اوڑھ کر لیٹ جاتے ہیں، اپنی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہتے ہیں: مجھے اپنے بارے میں ڈر لگ رہا ہے، اس پر حضرت خدیجہ آپ کو تسلی دیتی ہیں: ”خدا کی قسم! اللہ آپ کو غمزدہ نہیں کرے گا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ضرورت مندوں کے کام آتے ہیں، مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں، لوگوں کی مشکلات میں ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں، اور بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں“،

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے سوشل ورکر تھے، اور دکھی انسانیت کی خدمت آپ کی سب سے پہلی سنت مبارکہ تھی، اور یہی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل تھی کہ آپ کے جو دشمن تھے، وہ آپ کے جاں نثار ساتھی بن جاتے ہیں۔

جلسوں، کانفرنسوں کی ہیئتِ ترکیبیہ کو اب بدلنا ہوگا، اس لئے کہ لاکھوں کے مجمع عام سے جو خطاب ہوتا ہے، اس میں جارحیت کی روش غالب آجاتی ہے، اور یہی چیز نقصاندہ ہوتی ہے، اس کے بالمقابل اگر منظم انداز میں چھوٹے، چھوٹے اصلاحی ودعوتی پروگرامس منعقد کئے جائیں، اپنے پڑوس میں بسنے والے ہر فرد بشر کو شرکت کی دعوت دی جائے، گفتگو عام فہم ہو،

موضوعات کے ساتھ، مقررین پہلے سے منتخب ہوں، انسانی سماج کی تعمیر وترقی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی کردار پیش کیا جائے، اسی طرح انسانوں کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، شجرکاری کے ذریعہ فضائی آلودگی کو ختم کرنے کا نسخہ، درخت لگانے کی فضیلت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت واخلاق کا تذکرہ ہو، توسب کو اس کا فائدہ ہوگا، اور جس دن یہ دنیا آپ کو اپنے لئے مفید سمجھ لے گی، وہ آپ کے قدمِ مبارک میں اپنا سر رکھنا، باعث فخر وکمال محسوس کرے گی۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ ہم امت اِجابت ہیں، اور مسلمانوں کے علاوہ ہندوستان میں بسنے والی تمام نسل انسانی امتِ دعوت ہے، یعنی امت میں دونوں مشترک ہیں، انہیں مقابل ومخالف اور دشمن سمجھنے کی قطعا اجازت نہیں ہے، بلکہ امتِ اجابت کا فریضہ ہے کہ ان تک دین کی دعوت پہونچائیں، ان کیلئے ہدایت کی دعاء کریں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل وکردار کے ذریعہ ہمیں یہ بتایاہے اور اس جانب رہنمائی بھی کی ہے، کہ جب طائف میں آپ کو لہولہان کردیا گیا، پہاڑ کا فرشتہ حاضر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ حکم دیں تو دونوں پہاڑوں کو ملاکر طائف والوں کو پیس کررکھدیں، مگر آپ انکار کردیتے ہیں، اور ان کی ہدایت کیلئے دعاء شروع کردیتے ہیں، یہ واقعہ صرف اس لئے نہیں ہے کہ ہم سنیں اور بھول جائیں، بلکہ اسے اپنی زندگی میں پیش کرکے ہی ہم اس امت کو جوہمیں اپنا مخالف سمجھتی ہے، اسے دوست بناسکتے ہیں۔

اگرآپ غور فرمائیں! تو نظر آئیگا کہ سب سے زیادہ بے روزگاری آج ہندوستان میں ہے، اسمارٹ سیٹی تو ایک سپنا ہے، گاؤں، دیہاتوں میں نہ اسپتال ہے، اور نہ قاعدے کا اسکول ہے، بے روزگاری، اور انسانی ضرورت کی تکمیل نہ ہونے کی وجہ سے آج کا نوجوان ادھر، ادھر بھٹک رہاہے، ایسے میں تیسری اور بنیادی چیز انسانی ضرورت کی تکمیل سمجھ میں آرہی ہے، اور ہندوستان میں، ہمارے مسلمانوں میں سے صاحبِ ثروت لوگوں کی یقینا کمی نہیں ہے، اگر مخیرین آگے آئیں، اسکول وکالج اور اسپتال کا نظام قائم کریں، عیسائی مشنری کی طرح تمام مذاہب کے لوگوں کے لئے استفادہ کا بہترین ذریعہ پیش کردیں، اور روزگار

کے مواقع بھی مہیا فرما دیں ، یعنی بلاتفریق مذاہب روٹی ، کپڑا، مکان، دوائی کا مسئلہ حل ہوجائے تو یقینا لوگ اسلام اور مسلمانوں کے قریب ہونگے، اس لئے کہ انسان احسان کا غلام ہوتا ہے؛لیکن دقت یہ ہے کہ نماز، روزہ کا نام ہی ہم نے اسلام رکھ دیا ہے، حالانکہ خدمتِ خلق بھی سب سے بڑی عبادت ہے۔

بوڑھوں کی خدمت ،مظلوموں کی اعانت ،مریضوں کی عیادت ، پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت ، ہمدردی، خیر خواہی کے جذبوں کو فروغ دے کر ہی ہندوستان کے ہر ہر فرد تک اسلام اور اس کے احکامات وتعلیمات کو ہم پہونچا سکتے ہیں ،ہمیں یہ ماننا ہوگا کہ کردار وعمل ، اور اخلاق کی پاکیزگی کے ذریعہ ہی اسلام مکہ مکرمہ سے پوری دنیا تک پہونچا ہے، اور آج کے حالات کے تناظر میں اسی اخلاق کریمانہ کی ضرورت مزید بڑھ گئی ہے؛لیکن اگر ہم نے اپنے آپ میں تبدیلی نہیں لائی ، اور ابھی بھی نیند سے بیدار نہیں ہوئے ، اپنے لئے راہِ عمل طے نہیں کی تو یاد رکھئے! کاسہ گدائی لے کر بھیک مانگتے رہیئے؛لیکن ہمارا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا۔

یاد رکھئے! اقلیت اور اکثریت کبھی بھی کامیابی کا معیار نہیں رہا ہے، غزوہ بدر بھی سامنے ہے، جہاں بے سروسامانی کے عالم میں ہماری فتح ہوتی ہے، اور غزوہ احد بھی سامنے ہے، جہاں سب کچھ ہونے کے باوجود ہماری شکست ہوتی ہے، دلوں میں حوصلہ، حوصلوں میں عزم ، اور عزم میں خلوص ضروری ہے، سعی پیہم، یعنی لگاتار کوشش بہت ضروری ہے، حالات سے گھبرا کر، مایوس بیٹھ جانا، یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے، گرنا، سنبھلنا، یہ انسانی زندگی کا حصہ ہے، اور آپ چونکہ مسلمان ہیں، یعنی ایک خدا کے پرستار ہیں، اور سب سے افضل پیغمبر کے ماننے والے ہیں، حالات تو پیش آئیں گے، آزمائشیں تو ہونگی ؛مگر ضروری ہے کہ اچھے انداز میں ان حالات کا مقابلہ کیا جائے ، اور اس کیلئے جہاں علم کی ضرورت ہے، پیسوں کی بھی ضرورت ہے، ایسے میں تجارت ، بزنس، کاروبار میں درجہ کمال کا حاصل ہونا بھی ضروری ہے، مگر یہاں بھی مقصود رضائے الٰہی کا حصول، اور خدمت خلق کا جذبہ کار فرما ہو۔

لیکن یہ مت بھولئے کہ آپ پر خوف مسلط کرنے کی کوششیں زور وشور سے ہو رہی ہیں، خوف کی دنیا سے آپ باہر نکلئے، صرف ایک خدا سے ڈریئے، ہر حالت میں اسلام پر قائم رہیے، اور اس کی تعلیمات کی روشنی سے اپنے آپ کو منور کیجئے، اتحاد واتفاق اللہ کی رسّی ہے، اس کو مضبوطی سے پکڑے رہیے، کڑی سے کڑی، کو جوڑ کر رکھئے، اختلاف کیجئے، مگر اپنوں سے مت کٹئے، رشتوں کو مضبوط بنائیے، اپنی حفاظت خود آپ کیجئے، اور اپنی حفاظت کرنا بھی سیکھئے! باتوں سے یقینا کسی قوم کی تقدیر نہیں بدلی ہے، اس لئے کام کیجئے، اور یہ جان لیجئے کہ آپ کے سر پر ربِ ذو الجلال نے خلافت کا تاج رکھا ہے، اور اور اس کے لئے محنت، فکر و عمل، طویل مدتی، راہ عمل ضروری ہے۔

باوضو دودھ پلانے کی برکت:

خواجہ معین الدین چشتیؒ نے جب بنگال کا سفر کیا تو آپ کے ذریعہ ہزاروں افراد نے اسلام قبول کیا اور لاکھوں مسلمانوں نے گناہوں سے تائب ہو کر بیعت کی جب واپس ہوئے تو چہرہ پر نور ایمان کی بشاشت تھی والدہ محترمہ نے پوچھا بیٹے کیا معاملہ ہے بہت مسرور نظر آرہے ہو فرمایا، اماں جان خوش کیوں نہ ہوں، اس سفر میں میرے ذریعہ سات لاکھ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا اور ستر لاکھ مسلمانوں نے توبہ و بیعت کی۔ ماں نے کہا معین الدین یہ تمہارا کمال نہیں ہے یہ تو میرا کمال ہے کہ میں نے زندگی میں کبھی تم کو بغیر وضو دودھ نہیں پلایا، اسی کی برکت سے تمہارے ہاتھ پر اللہ نے لاکھوں لوگوں کو مشرف باسلام ہونے اور لاکھوں لوگوں کو توبہ کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ (پیر ذو الفقار احمد کے دل کو تڑپا دینے والے واقعات)

تین طلاق بل کے بعد!

مفتی بشیر احمد سہارنپوری معین مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

حکومت ہند نے تین طلاق کا وہ بل پاس کر دیا جو ایک عرصہ سے زیر بحث تھا اور ماہرین شریعت اور اہل علم وفتوی حضرات نے اس بارے میں جو دلائل وشواہد پیش کئے ان سب کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا، کہا یہ گیا ہے کہ اس کا مقصد مسلمان عورتوں کو تین طلاق کے ذریعہ پیدا ہونیوالی پریشانیوں اور مشکلات سے بچانا ہے، لیکن درحقیقت اس کے پس پردہ حکومت کے اپنے مفادات ہیں، جن کے پیش نظر ایسا کیا گیا ہے۔

ورنہ یہ بل نہ صرف شریعت اور آئین ہند کی رو سے غلط ہے؛ بلکہ عقل ودانش بھی اس کو رد کرتی ہیں، جب ایک یا دو مرتبہ کہہ دینے سے طلاق ہو جاتی ہے تو پھر تین مرتبہ کہنے سے کیوں نہیں ہوگی؟ اور جب تین مرتبہ کہنے سے طلاق نہیں ہوئی تو پھر سزا کس بنیاد پر دی جا رہی ہے؟ سپریم کورٹ میں جج کے منصب پر فائز اور اعلی عقل وتعلیم کے حامل افراد کی جانب سے ایسے غیر معقول قوانین پر حیرت وحسرت کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے؟

اور اس بل کے نفاذ سے عورتوں کی مشکلات حل ہونے کے بجائے ان کی پریشانیاں دوچند ہو جائیں گی، اسلئے کہ جب طلاق نہیں ہوئی تو اس کے لئے دوسرے نکاح کا راستہ بھی مسدود ہے اور موجودہ شوہر جیل میں بند ہے تو ضروریات کی برآوری کا راستہ بھی مقفل! یہ وہی صورتحال ہے، جس کو قرآن کریم نے ''فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ'' کے بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے کہ عورت نہ مطلقہ ہو سکی اور نہ منکوحہ باقی رہی۔

اس کے علاوہ یہ بل اپنے ساتھ میں جن مفاسد کو لئے ہوئے ہے وہ ایسے ہیں کہ ان کے تباہ کن اثرات پورے معاشرہ کو اپنی چپیٹ میں لے لیں گے اور جو صورتحال سامنے

آرہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تباہ کاریوں کی ابتداء ہوگئی ہے۔

اس بل میں دینی لحاظ سے دو بڑی خرابیاں ہیں، پہلی خرابی تو یہ ہے کہ یہ بل مسلمانوں کو فحاشی وبدکاری کی جانب دھکیلنے کے مترادف ہے، اخیر زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا و بدکاری کے عام ہوجانے کی خبر دی ہے، یہ بل بھی اُسی کا حصہ ہے، اسلئے کہ تین طلاق دینے پر جو تین سال کی سزا مقرر کی گئی ہے شوہر اس سے بچنے کے لئے تین طلاق دینے کے باوجود اس کا انکار کریگا اور بیوی کو ساتھ رکھنے کی کوشش کریگا، جو سراسر زنا و بدکاری ہوگی، کیونکہ شرعی ضابطہ طلاق کی رو سے تین طلاق کے بعد بیوی بیوی نہیں رہتی، ایک انجان واجنبی عورت ہوجاتی ہے، بلکہ یہ عام زناء سے بدتر صورت ہوگی، اسلئے کہ عام زنا کو زنا سمجھا جاتا ہے اور شرم وحیا سے عاری شخص ہی اس کا مرتکب ہوتا ہے اور یہ ہمہ وقت کا زنا ہوگا اور مزید برآں کہ اس کو حکومت کے قانون کے نتیجہ میں زوجہ اور منکوحہ سمجھا جائیگا، یہ صورتحال بڑی سنگین ہے اور دنیا وآخرت میں اس کے اثرات بڑے تباہ کن ہیں۔

دوسری بڑی خرابی یہ ہے کہ طلاق خواہ کسی معقول وجہ کی بنیاد پر دی گئی ہو اور اس میں بیوی کے قصور کا کتنا ہی دخل ہو، لیکن بیوی اور اس کے اولیاء اس کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے اور ان کی بھرپور کوشش ہوگی کہ طلاق کی پاداش میں لڑکے بلکہ اس کے اہل خانہ کو جیل رسید کیا جائے یا کم از کم ان کو منہ مانگی رقم حاصل ہو۔

تین طلاق کے اس بل کے بعد یہ دونوں خرابیاں معاشرہ میں بہت تیزی کے ساتھ جڑ پکڑ رہی ہیں اور تین طلاق کے بعد اس سے انکار اور رجوع کے واقعات میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

دار الافتاء میں آنے والے سوالات اس پر شاہد ہیں، جس وقت میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں اس وقت بھی ایک صاحب نے فون پر یہ مسئلہ دریافت کیا کہ میری ہم شیرہ کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی اور چار پانچ مرتبہ طلاق کے الفاظ کہے، جس وقت یہ مسئلہ پنچایت کے سامنے آیا تو اس نے یہ کہا کہ میں نے صرف دو مرتبہ کہا تھا، اسی طرح ان سطور کی تحریر کے دوران ایک استفتاء بھی اس بارے میں موصول ہوا۔ اور ایسے بھی متعدد

واقعات سامنے آئے ہیں کہ تین طلاق دینے کے بعد یا معقول وجوہات کی بنیاد پر زوجین میں علیحدگی کی بات آئی تو لڑکی کے اولیاء کی جانب سے بڑی رقم کا مطالبہ کیا گیا اور بصورت دیگر عدالتی کارروائی کی دھمکی دی گئی، عدالتی کارروائی اور اس کی سزا سے بچنے کیلئے لڑکے اور اس کے اولیاء نے خواہی نخواہی منھ مانگی رقم اداء کر کے معاملہ کا تصفیہ کیا، جب کہ لڑکی اور اس کے اولیاء کے لئے اس رقم کے مطالبہ اور وصولیابی کا کوئی جواز و استحقاق نہیں۔

معاشرہ کی یہ صورتحال فوری غور وفکر کی متقاضی ہے اور اس حوالہ سے ملت میں دینی شعور وآگہی پیدا کرنے کی ضرورت ہے، قرآن کریم نے جہاں طلاق کے احکام بڑی تفصیل ووضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں وہیں طلاق کے بعد فریقین کا باہمی رویہ اور طرزِ عمل کیا ہو، اس پر بھی روشنی ڈالی ہے، ارشاد ہے: واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف اوسرحوھن بمعروف (البقرہ) یعنی جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور ان کی عدت پوری ہوجائے تو ان کو معروف طریقہ سے روک لو یا معروف طریقہ سے چھوڑ دو "امساک بالمعروف" کی اولین شرط یہ ہے کہ شرعی ضابطۂ طلاق کے مطابق بیوی کو زوجیت میں برقرار رکھنے کی گنجائش ہو، اگر از روئے شرع اس کی گنجائش نہیں ہے تو پھر بیوی کو اپنے پاس رکھنا بدکاری اور زنا ہے، اسی طرح "تسریح بالمعروف" میں یہ بھی داخل ہے کہ طلاق وتفریق کے بعد ایک دوسرے پر کوئی جانی ومالی تعدی وزیادتی نہ ہو، اسی لئے اگر زوجین خلع کے ذریعہ علیحدہ ہوں جس میں بیوی کی جانب سے علیحدگی کا مطالبہ ہوتا ہے اور وہ اس کے عوض شوہر کو کچھ معاوضہ بھی اداء کرتی ہے تو شوہر کے لئے صرف مہر کے بقدر اس سے معاوضہ لینے کی اجازت ہے، اس سے زائد جائز نہیں۔ (کنز الدقائق)

طلاق ہوجانے کے بعد زوجین میں سے ہر ایک کیلئے اس "امساک بالمعروف" اور "تسریح بالمعروف" کو ملحوظ رکھنا لازم ہے، لہٰذا نہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ تین طلاق دینے کے بعد اس سے رجوع یا انکار کرے، چونکہ ایسا کرنا زنا وبدکاری ہے اسلئے آخرت میں اس کا جو خسارہ ہوگا وہ ناقابل تصور ہے اور دنیا میں بھی اس کی نحوستیں قدم قدم پر ظاہر ہوں گی، عقلمندی کا تقاضہ یہی ہے کہ دنیا تو برباد ہوگئی ہے، اب آخرت کو برباد ہونے سے بچالیا جائے، اور لڑکی

اوراس کے اولیاء کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ طلاق کے بعد لڑکے یا اس کے اہل خانہ کو جانی ومالی نقصان پہنچائیں، اس اقدام پر نہ لڑکے اوراس کے اہل خانہ کو جیل رسید کرانا حلال ہے اور نہ ان سے کسی معاوضہ کا مطالبہ، شوہر نے اگر تا حال مہر نہ ادا کیا ہو یقینا اس کو وصول کیا جائیگا، لڑکی کا جہیز جس قدر اور جس حال میں ہو لڑکی اس کی مستحق ہے، عدتِ طلاق شوہر کے گھر گزارنے کی صورت میں عدت کی تکمیل تک مطلقہ کے جملہ اخراجات شوہر کے ذمہ ہوں گے، مگر اس کے علاوہ شوہر سے کسی نقد رقم کا مطالبہ، نئے جہیز کی قیمت یا شادی کے موقع پر ہوئے اخراجات کا معاوضہ وصول کرنا حلال نہیں، بلکہ حرام اور رشوت ہے اور اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرنا ہے۔

اس صورتحال کا شرعی ضابطۂ طلاق سے واقفیت وآگاہی کے علاوہ ایک آسان حل یہ بھی ہے کہ زوجین میں جس وقت طلاق تک بات پہنچے تو وہ اہل علم وفتوی حضرات سے رابطہ کرکے اپنا پورا معاملہ ان کے سامنے رکھیں، ایسا کرلینے سے امید ہے کہ طلاق کی نوبت ہی نہ آئے، بالفرض اگر طلاق ہی کی ضرورت پیش آئے گی تو درج بالا مفاسد اور خرابیاں ظاہر نہیں ہوں گی، جو کچھ ہوگا ’’امساک بالمعروف‘‘ اور ’’تسریح بالمعروف‘‘ یا ’’تسریح باحسان‘‘ کی تصویر اور مصداق ہوگا۔

برائی سے رُک کے رہنا بھی صدقہ ہے

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ’’ہر مسلمان آدمی کے لیے صدقہ لازم ہے، صحابہ نے عرض کیا اگر وہ کچھ نہ پائے؟ فرمایا: اپنے ہاتھوں سے کام لے، اپنے نفس کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے، صحابہ نے عرض کیا، اگر اس کی طاقت نہ رکھے یا ایسا نہ کرسکے تو؟ آپ نے ارشاد فرمایا ’’کسی ضرورت مند غمگین شخص کی اعانت کرے‘‘ صحابہ نے عرض کیا اگر وہ ایسا بھی نہ کرسکے تو؟ آپ نے فرمایا: ’’نیکی کا حکم دے‘‘ پھر پوچھا گیا کہ اگر وہ ایسا بھی نہ کرسکے تو؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا وہ خود برائی سے رکا رہے، یہ اس کے لیے صدقہ ہے‘‘۔ (بخاری ومسلم)

فتاوی

انتخاب وترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

انٹرنیٹ پر بیان کیے گئے مسائل ومواعظ کی شرعی حیثیت

واضح رہے کہ انٹرنیٹ پر بیان کیے گئے مسائل ومواعظ پر بغیر تحقیق کے عمل کرنا درست نہیں، کیوں کہ انٹرنیٹ پر مختلف فرقوں اور طبقوں کے لوگ اپنے غلط عقائد کو نشر کرتے رہتے ہیں اور اپنے مذہب کا پرچار کرتے ہیں، تاہم مستند عالم اور مفتی کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرسکتے ہیں، اور انٹرنیٹ کو بغیر ضرورت استعمال نہ کیا جائے۔

علیم وتربیت کی غرض سے شاگردوں کی پٹائی

واضح رہے کہ تعلیم وتعلم کے سلسلے میں نرمی، شفقت وخوش اخلاقی جتنی مؤثر ہے، مار پیٹ اور سختی اس کا عشر عشیر بھی نہیں، کیوں کہ نرمی وخوش خلقی کا اثر براہ راست قلب پر پڑتا ہے جس سے شاگرد کے دل میں استاذ کی عظمت کے ساتھ ساتھ محنت اور کوشش کا جذبہ بھی بیدار ہوتا ہے، برخلاف سختی وغیرہ کے کہ وقتی طور پر اگرچہ اس سے مطلوبہ مقصد حاصل ہو جائے گا لیکن یہ اثر جلد ہی زائل ہوجائے گا۔

علامہ قاری صدیق احمد صاحب فرماتے ہیں:

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سخت کلمات کی بہ نسبت نرم کلمات زیادہ مؤثر ہوتے ہیں، یہ حماقت ہے کہ جس برتن میں آدمی کچھ ڈالنا چاہے پہلے اسی میں سوراخ کردے، جب شاگرد کے دل کو اپنی سختی اور مار پیٹ سے چھلنی کردے گا تو اس میں خیر کی بات کس طرح ڈالے گا؟ (آداب المعلمین)

اس تمہید کے بعد اپنے شاگردوں کی پٹائی چند شرائط کے ساتھ درست ہے۔

۱۔ مارنے میں اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ سزا سے مقصود زجر و تادیب اور اصلاح طلبہ ہو، انہیں تکلیف و ایذا رسانی کی نیت سے سزا نہ دی جائے۔

۲۔ جسمانی سزا میں عصا وغیرہ کے علاوہ دیگر جسمانی سزاؤں کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے۔

۳۔ چہرے پر مارنے سے گریز کیا جائے۔

۴۔ ایک ہی جگہ پر نہ مارا جائے۔

۵۔ سزا دینے میں جرم کی کیفیت و کمیت کو ملحوظ رکھا جائے۔

۶۔ غصے کی حالت میں سزا نہ دی جائے، کیوں کہ غصے کی وجہ سے انسان حد اعتدال سے بڑھ جاتا ہے اور بعید نہیں کہ غیر مستحق بھی سزا کی لپیٹ میں آجائے یا مستحق سزا کو حد سے زیادہ سزا دی جائے۔

۷۔ چہرہ اور نازک اعضا پر مارنا جائز نہیں اور نہ ہی ایسا مارنا جائز ہے جس سے نشان پڑ جائے، یا دل پر اثر پڑے یا ہڈی تک اثر پہنچے، یا کھال چھلے یا خون نکلے۔

ناخن، بال کٹوانے، تیل و خوشبو لگانے کا مسنون طریقہ

ناخن کاٹتے وقت انگلیوں کی ترتیب کسی حدیث سے صراحتاً ثابت نہیں، البتہ فقہاء نے بہتر طریقہ یہ لکھا ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی سے شروع کرے اور ترتیب وار چھوٹی انگلی تک کاٹے، پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے لے کر انگوٹھے تک بالترتیب کاٹے، آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹے اور پیروں کے ناخن کاٹنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دائیں پیر کی چھوٹی انگلی سے ابتدا کرے اور بالترتیب بائیں پیر کی چھوٹی انگلی تک کاٹے۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.

URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR



Rs. 15/-

MADRASA

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA

E-MAIL: jamiamazahir@gmail.com

PH. 0132-2655542

